سلسلہ اشاعت امامیہ مشن پاکستان لاہور نمبر ۱۰۵

نظام زندگی

(حصہ چہارم)

مصنفہ

حضرت سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی دام ظلہ العالی

قیمت ۵۶ پیسہ

امامیہ مشن پاکستان

کی ایک سو پانچویں پیش کش نظام زندگی حصہ چہارم آپ کے زیر نظر ہے۔ اس سے پہلے اس کتابچہ کے تین حصے شائع ہو کر قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ پہلے حصے میں اسلامی زندگی کا نظام اسلامی تعلیمات کی رو سے عقلی و نقلی تحقیقات کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اسی ذیل میں مسائل تعلیم و تربیت کا اجتماع و تمدن اور تہذیب و اخلاق پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے دوسرے حصے میں فلسفہ تقلید، حقیقت عبادت، طہارت و نجاست وغیرہ ایسے اہم مسائل پر تبصرہ ہے اور تیسرے حصے میں وضو کے فوائد، حقیقت نماز فلسفہ نماز اور اجزائے نماز کے اسرار و مصالح بیان کیے گئے ہیں اور زیر نظر چوتھے حصے میں روزہ اور اس کے احکام پر ایک حکیمانہ نظر ڈالی گئی ہے جس کے لئے ہم حضرت سید العلماء مدظلہ العالی کے قلم حقیقت رقم کے ممنون ہیں۔ امامیہ مشن لکھنؤ نے اس کو مارچ سنہ ۱۹۴۶ میں اپنے سلسلۂ اشاعت کے نمبر ۸۸ کے تحت شائع کیا تھا۔

دنیا میں جتنے مذاہب اور جتنے سیاسی اور معاشرتی نظام ہیں یہ سب کے سب ایک ایک طرح کے نظام زندگی ہیں اور انمیں کے زیادہ تر ہر شعبہ حیات کا احاطہ نہیں کرتے کسی نے کوئی رخ لے لیا ہے تو کسی نے کوئی، کچھ نے اپنے نظاموں کو جغرافیائی حدود کے اندر رکھا ہے تو کچھ نے صرف جتھوں اور گروہوں میں محدود کر دیا ہے اسلام نے سب سے پہلے ہر شعبہ حیات کے ساتھ زمان و مکان کی قیدوں سے آزاد کر کے دنیا کے کل بسنے والوں کے لئے اجتماعی حیثیت سے ہر طرح پر بہتر سے بہتر زندگی بسر کرنیکا مکمل نظام پیش کیا جس پر صحیح اور کامل طور پر گامزن ہونیوالے آئیڈیل اور معیاری انسان بن سکتے ہیں۔ افراد ملت کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ اسکی توسیع اشاعت میں ہر ممکن کوشش کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ والسلام

جون سنہ ۱۹۶۱ء آنریری جنرل سکریٹری۔ امامیہ مشن پاکستان۔ لاہور ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید الانبیاء والمرسلین و آلہ الطاہرین

"نظام زندگی" میں عبادات کے ذیل میں نماز کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ نماز کے بعد دوسرا درجہ روزہ کا ہے جس کو عربی میں "صوم" کہتے ہیں۔

صوم کے معنی

لغوی معنی صمت یعنی خاموشی کے ہیں اور اس معنی میں حضرت مریم کی زبانی قرآن مجید میں مذکور ہے انی نذرت للرحمن صوما اس کے معنی یہی ہیں کہ میں نے چپ رہنے کی نذر کی ہے۔ دوسرے معنی صوم کے باز رہنے کے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ پہلے معنی پر بھی صوم کا اطلاق اسی مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ وہ بھی کلام سے باز رہنا اور اپنی زبان کو نطق سے روکنا ہے اسی لئے اس کو صوم کہتے ہیں۔ شرع نے اسی لغوی معنی کو لیتے ہوئے اس میں کچھ قیود اور اضافوں کے ساتھ اصطلاحی مفہوم کی تشکیل کی ہے اور ایسا ہی شرع نے تمام اصطلاحی الفاظ میں کیا ہے۔

صلوٰۃ کیا تھی "دعا" لیکن وہ اب بارگاہ الٰہی میں ایک خاص طرح کا عرض و معروض ہو گیا۔ جو قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ساتھ ہو۔

حج کیا تھا؟ قصد۔ لیکن اب وہ خاص مکہ معظمہ کا قصد ہے جو خاص صورتوں سے عمل میں لایا جائے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ پاکیزگی لیکن اب وہ نام ہے خاص مقدار کے نکالنے کا مال سے جو اس کی طہارت کا باعث ہو۔ یوں ہی صوم کے معنی ہیں باز رہنا۔ لغوی معنی کے لحاظ سے واجبات کا ترک کرنا اور مستحبات سے باز رہنا بھی اس کی نسبت سے صوم کہا جاسکتا ہے مگر شرعاً مخصوص اوقات میں مخصوص امور کا ترک کرنا جن سے شرع نے اس وقت میں ممانعت کی ہے خاص قصد و ارادہ کے ساتھ صوم ہے۔ یہ اسلامی حیثیت سے فرض قرار دیا گیا ہے اور پورے ماہ رمضان کے دنوں میں اسے واجب قرار دیا ہے اس کے علاوہ کسی خارجی سبب سے واجب ہو سکتا ہے جیسے نذر یا کفارہ یا عہد وغیرہ۔ اس وقت ہمارا نصب العین فریضۂ ماہ صیام کے متعلق کلام کرنا ہے

تیس روزے کیوں قرار دیئے گئے؟

آخر اسلام میں یہ تیس روز کے مسلسل روزے کیوں فرض قرار دیئے گئے ہیں۔ کیا اس سے صرف روحانیت کا ارتقاء مقصود ہے اگر ایسا ہے تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اسلام نے روحانیت کی دھن میں مادیت سے بالکل چشم پوشی کرلی گویہ ضرور ہے کہ اس نے رہبانیت کی سخت ترین مخالفت کی اور ازدواجی زندگی کو قابل تعریف اور قابل تقلید قرار دیا لیکن اس کے علاوہ انسانی زندگی کے دیگر مادی پہلوؤں سے بڑی حد تک تغافل برتا ہے۔

یہ ہے معترضانہ سوال جو میرے سامنے پیش ہے اس کے لئے میں آئندہ چل کر روزہ کی فرضیت کے حکم اور مصالح اور فوائد بیان کروں گا لیکن سردست ایک وسیع

بحث "روحانیت اور مادیت" کے متعلق کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہ اسلام کی نگاہ میں ان دونوں کا کیا تعلق ہے اور اس نے کس قدر ان کی طرف توجہ کی ہے۔

روحانیت اور مادیت کی وسیع بحث

قید ہستی کے شکنجہ میں اسیر رہتے ہوئے روح کا مادہ کے ساتھ ایسا تعلق ہے ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اور دونوں کا اس طرح کا ارتباط ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ روحانی احساسات کا اثر جسم پر اور جسمانی تاثرات کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ روح کا اثر جسم پر ظاہر ہے، مثلاً خوف روح کا ایک احساس ہے مگر اس سے چہرہ پر زردی۔ آنکھوں میں گردش۔ لبوں میں خشکی جسم میں تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح کا احساس ہو ویسا ہی اثر۔ اچانک دھماکے کا ہنگامی احساس اس کا نتیجہ اچھل پڑنا اور مستقل خوف کا اثر مستقل کیفیتوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے غصہ بھی روحانی ادراک ہے اس کا اثر آنکھوں کا سرخ ہونا۔ چہرہ کا تمتما جانا، دانتوں کا پیسنا، نتھنوں کا پھولنا، اور تن بدن کا کانپنا ہوتا ہے۔ مسرت بھی روحانی کیفیت ہے۔ اس کے آثار چہرہ پر ایک خاص طرح کی ہلکی سرخی کا دوڑ جانا، لبوں پر مسکراہٹ اور زیادتی کی صورت میں قہقہہ کی آواز بلند ہو جانا ہیں۔

ایسے ہی شرمندگی، ندامت اور حیا ہر ایک کے آثار جداگانہ ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں یہ ہے روحانی تاثرات کا اثر جسم پر۔ اب رہ گیا جسم کا اثر روح پر، یہ بھی نمایاں ہے، اکثر حالات میں مزاج طبعی کی خرابی مزاج عقلی پر پڑتی ہے۔ بیماری کی حالت میں طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو جانا۔ بات بات پر غصہ آنا یہ اس کا ایک ادنیٰ نمونہ

ہے۔ خرابی معدہ کی حالت میں سونے پر بُرے بُرے خوابوں کا دکھلائی دینا اسی کا نتیجہ ہے کہ جسمانی خرابی نے روح کے ادراکات پر اثر ڈال دیئے۔ مراقی اور ملیخولیائی آدمی کے تصورات و تخیلات اور ادراکات بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

انسان کی روح وقت پیدائش سے آخر عمر تک ایک ہی رہتی ہے۔ نشو و نما جسم کی صفت ہے روح کی نہیں ہے مگر قوائے جسمانی کی ترقیوں اور نشو و نما کے ساتھ عقل میں کمال پیدا ہوتے رہنا اور پھر پیری کی حالت میں اکثر اوقات عقل کا بہک جانا بھی اس کی دلیل ہے کہ انسان کے قوائے جسمانی کا اثر قوائے روحانی اور ادراکات عقلی پر پڑتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ انسان کی روح اور اس کے جسم میں اس دورِ حیات کے اندر چولی دامن کا ساتھ ہے لہٰذا ایک کے کمال و اعتدال کا اثر دوسرے پر پڑنا ضروری ہے انسان نام ہے مجموعۂ روح و بدن کا۔ اس لئے کامیاب مذہب وہ ہے جو اس سموئی ہوئی شکل کو قائم رکھتے ہوئے انسان کو ترقی کا موقع دے اور زندگی کے اصول بتلائے۔

ایسا مذہب جو ان میں سے ایک کو بالکل نظر انداز کر دے فطری مذہب نہیں سمجھا جا سکتا انسانی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی روح جسم سے جدا ہو جائے ورنہ وہ بچہ جو شکم مادر سے پیدا ہوتے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا اپنے مقصدِ حیات کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جائے گا۔ مگر اس صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے وجود میں آنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ انسانی روح کا کمال پیدا ہو سکتا ہے تو ادراک و عمل سے۔ ادراک یعنی اعتقاد اور عمل یعنی اچھے افعال و صفات

کی انجام دہی یہی روحانیت کے کمال کے دو شعبے ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ دونوں انسان کے قوائے مادی سے متعلق ہیں۔ ادراک و شعور قوائے دماغی سے اور افعال و اعمال اعضا و جوارح سے متعلق ہیں۔

اب اگر روحانیت کی ترقی کے لئے ان آلات و اعضائے جسمانی کے تعطل کو روا رکھا گیا تو وہ خود ادراکات و اعمال جو روحانی ترقی کا باعث ہیں یک لخت ختم ہو جائیں گے مثلاً ایسا مذہب جس کے نزدیک عبادت اور روحانی ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ انسان سانس روک کر مثل مردوں کے لیٹ جائے۔ تو اس مردہ نما زندگی سے نہ خلقِ خدا کی خدمت کا کوئی انجام پا سکتا ہے نہ ادراکات و احساسات میں ترقی کا موقع ہے کیونکہ یہ ایک بے ہوشی کا سا عالم ہوگا جس میں احساس و ادراک بھی معطل ہوگا۔

اسی طرح عبادت کا یہ طریقہ کہ انسان اپنے ہاتھ کو خشک بنا لے تو اب اس ہاتھ سے اچھے کام جیسے گرتے ہوئے کو سنبھالنا۔ کمزوروں کی امداد کرنا۔ غریبوں کی خبر گیری کرنا سب ختم ہو گئے۔

پیروں کو شل بنا لیا تو تمام نیک کام جو پیروں سے انجام پا سکتے تھے ختم ہو گئے پھر بھلا یہ عمل روحانی ترقی کا باعث کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ مذہبی تعلیم وہی صحیح تعلیم ہو سکتی ہے جو ہمہ گیر بن سکے۔ اگر ایک شخص کیلئے روحانی ترقی کا ذریعہ یہ سمجھا جائے کہ وہ ہاتھ کو اپنے خشک کر لے تو سب کے لئے روحانی ترقی کا ذریعہ یہ ہوگا۔ لیکن ذرا تصور تو کیجئے کہ اگر انسانوں کی تمام مردم شماری ہاتھوں کو اپنے خشک کر کے روحانی ترقی حاصل کرنے لگے تو کیا پھر عالم انسانیت کی زندگی قائم بھی رہ سکتی ہے اور کیا کچھ ہی دنوں میں صفحۂ ہستی انسان کے وجود سے خالی نہ ہو جائے گا۔

اب یہ دیکھئے کہ روح اور جسم کا ارتباط جس کا سابق میں تذکرہ کیا گیا صرف خالق کی قدرت کاملہ اور اس کی بندش کا نتیجہ ہے ورنہ روح اور جسم دو متضاد چیزیں ہیں جن کے خواص اور کیفیات بالکل الگ ہیں ایک ہے عرش سیر اور دوسرا فرش نشین۔

یہ صرف خالق کے ارتباط کا نتیجہ ہے کہ ان میں تعلق پیدا ہو گیا ہے اس لئے ان دونوں کو سمو دیا ہے اس لئے روح نے کچھ اپنے بلند صفات کو مادی جسم کی وجہ سے خیر باد کہہ دیا اور کچھ اپنے پست صفات کو جسم نے روح کے آنے سے بدل دیا مگر اس کے بعد بھی ان دونوں کے احکام و خصوصیات الگ الگ ہیں۔ روح کی غذائیں اور ہیں جسم کی غذائیں اور ہیں۔

روح کے قاتل زہر کچھ اور ہیں اور جسم کے قاتل زہر کچھ دوسرے۔ اب چونکہ روح اور جسم دونوں کی تربیت ضروری ہے اسلئے روح کو اس کی غذائیں پہنچانا چاہیئں اور جسم کو اس کی غذائیں۔ نہ اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ اسے فنا کے لئے چھوڑا جا سکتا ہے مگر یاد رکھئے کہ دو چیزیں جن کا ساتھ ہوتا ہے دو طرح کی ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ دونوں ہم پلہ اور برابر کی ہیں جیسے دو بھائی جنہوں نے برابر کے سرمایہ سے ایک تجارت شروع کی ہو تو ظاہر ہے نفع نقصان میں یہ دونوں برابر کے شریک رہیں گے۔ اور کسی طرح ایک کو دوسرے سے قابل لحاظ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک بلند مرتبہ ہو اور دوسرا اس کے مقابلہ میں پست مرتبہ جس طرح راکب و مرکب، ان دونوں کے ضروریات ہیں اور راکب کی غذا الگ اور مرکب کی الگ ہے۔ ایک شخص کہ جوان کی پرورش کا ذمہ دار ہے اسے راکب کو اس کی غذا پہنچانا چاہئے اور مرکب کو اسکی غذا۔ لیکن اگر دونوں کے ضروریات میں تصادم ہو جائے

ایک ایسا وقت آ جائے کہ یا تو راکب کی زندگی کا سامان کیا جائے یا مرکب کی تو اس صورت میں راکب کو مرکب پر ترجیح دی جائے گی اس کے معنی یہ ہیں کہ مرکب کا لحاظ اسی حد تک کیا جائے گا جب تک راکب کے لئے خطرہ نہ پیدا ہو ورنہ مجبوراً مرکب کا خیال نظر انداز کرنا پڑے گا۔

اسلام کے نزدیک روح اور جسم کی حیثیت یہی ہے۔ روح اس کے نزدیک اشرف ہے اس لئے اولیت رکھتی ہے اور جسم پست مرتبہ ہے اس لئے ثانوی درجہ رکھتا ہے۔

مگر یہ جسم اسی روح کے ارتقاء اور عمل کا ایک ذریعہ ہے سمجھ لیجئے کہ یہ اس کا مرکب ہے اسلئے روح کی خاطر سے بھی اس جسم کے ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت تک جب تک کہ روح کی زندگی اور اس کے مفاد سے تصادم نہ ہو لیکن اگر ایسا موقع آ جائے کہ جسم کو غذا پہنچانا روح کے لئے نقصان رساں ہو یا ہلاکت کا سبب ہو تو ضرور جسم کے خیال کو اس حد تک نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر روح کا ارتقاء اور اس کی بلندی کسی خاص درجہ تک جسم کو تکلیف پہنچانے پر موقوف ہو تو اتنی تکلیف کو گوارا کر لیا جائے گا۔

یوں سمجھئے کہ جسم کی پرورش مقصد اصلی نہیں ہے بلکہ روح کے بقاء اور ترقی کی خاطر سے ہے۔

بقول شخصے "خوردن برائے زیستن است، نہ زیستن برائے خوردن"

اور یہ وہ نقطہ ہے جہاں سے اسلام اور مادیت میں جدائی ہوتی ہے کیونکہ مادیت مادہ کی ترقی کو مقصد اصلی قرار دیتی ہے اور اسلام جسم مادی کی پرورش کو بھی ضروری

سمجھتا ہے مگر اسلئے کہ روح کا اس سے تعلق ہے اور روحانی بقاء وارتقاء اس پر موقوف ہے اور اس لحاظ سے مادی ضروریات کا پورا کرنا بھی روح ہی کی خاطر ہے اور اس بنا پر ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون میں جو عبادت کو نصب العین قرار دیا گیا ہے وہ کھانے پینے سونے آرام کرنے کو بھی اپنے دائرہ میں لے لیتا ہے جبکہ ان کا مقصد صرف تن آسانی اور آرام طلبی نہ ہو بلکہ اس کے آگے کچھ اور ہو یعنی جسم کو فرائض کی ادائی اور انجام دہی کے قابل رکھنا جو انسانیت کا نصب العین ہے۔

اسلام نے مادی زندگی کا کس کس طرح خیال کیا ہے!

معلوم ہونا چاہئیے کہ جو شے بذات خود پسندیدہ ہو اس کا دوسرے کیلئے باعث ہونا پسندیدہ ہوگا۔ اگر مادی زندگی سے قطع تعلق خدا کی نگاہ میں روحانی ترقی کے لئے پسندیدہ ہوتا تو قتل نفس کوئی جرم نہ ہوتا کیونکہ اس ذریعے سے اس شخص کو اس روحانی ارتقاء کے درجہ پر پہنچاتے ہیں جو مادی زندگی سے قطع تعلق پر موقوف ہے حالانکہ قتل نفس وہ گناہ عظیم ہے جس کو شرک کا ہم پلہ سمجھنا چاہئیے ارشاد ہوتا ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاوہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ اتنا ہی نہیں بلکہ نفس غیر کی حفاظت واجب قرار دی یہاں تک کہ اگر نماز ایسی افضل عبادت کا وقت تنگ ہو مگر اسوقت کوئی شخص غرق ہو رہا ہو تو اس کے بچانے کیلئے نماز کا اس وقت ترک کر دینا لازم بھی ہے دوسرے کی مادی زندگی کا تحفظ اور اپنی مادی زندگی، اس کے لئے خودکشی کو گناہ عظیم قرار دیا۔ خودکشی میں کیا ہوتا ہے؟ اسی مادی زندگی کا انقطاع؟ پھر اگر اسلام مادی زندگی کا لحاظ ہی نہ کرتا ہوتا تو وہ خودکشی کو گناہ کیوں قرار دیتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ

اس نے حفاظت نفس کے لئے اپنے احکام تک میں تبدیلیاں گوارا کیں۔ تقیہ کیا ہے؟ یہی کہ حفاظت نفس کے لئے انسان بہت سی اُن باتوں کا ارتکاب کرتا ہے یا بہت سے اُن فرائض کو ترک کرتا ہے جو عام حالات میں اس کے لئے جائز نہیں تھا۔

کلمات کفر و شرک کا زبان پر جاری کرنا اور رسولؐ کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کرنا یہی وہ ہے جس کے متعلق آیت آئی ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اس شخص کو کوئی گناہ نہیں جو بہ مجبوری ایسا کرے مگر دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو نماز ایسی اہم عبادت لیکن تقیہ کے موقع پر وضو ہمارے طریقہ کے لحاظ سے غیر صحیح صورت پر انجام پاتا ہے نماز غلط طریقہ سے ہوتی ہے مگر جائز ہے جب کہ حفاظت نفس اس پر موقوف ہو پھر وقت گزر نے پر اور اندیشہ رفع ہونے پر ان نمازوں کی قضا تک بھی لازم نہیں ہے اس لئے کہ اپنے محل پر وہ حکم خداوندی کے مطابق انجام پا چکی ہیں۔

روزہ، اگر ایسا موقع آ پڑا کہ آپ کو غروب شمس ہی کے وقت یعنی جس وقت اہلسنت روزہ افطار کرتے ہیں اسی وقت روزہ افطار کرنا پڑتا ہے تو یہ روزہ جائز ہوگا اور پھر اس کی اعادہ اور قضا بھی لازم نہ ہوگی۔

زکوٰۃ اگر آپ کو مومنین مستحقین تک پہنچانے میں اپنے ماحول کی وجہ سے خطرہ ہے اور اس لئے آپ کو دینا پڑتی ہے ان مسلمانوں کو جو آپ کے نزدیک صفت ایمان سے محروم ہیں تو تقیہ کی وجہ سے اُن ہی کو دیدینا برائت ذمہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

اسی طرح حج اور جہاد وغیرہ تمام شریعت کے شعبوں پر اس کا اثر پڑتا ہے جتنے انفرادی گناہ ہیں وہ بھی اس تقیہ کے ماتحت جائز قرار پا سکتے ہیں۔ بے شک

دوسروں کی خوں ریزی کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی اپنی جان کی حفاظت کے لئے دوسرے کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر مادی زندگی کا کوئی خیال ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ صحت جسمانی کے مفاد کی خاطر کس قدر احکام شریعت میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

نماز ہی کو لے لیجئے کہ جو افضل عبادت ہے۔

اس کی ضروری شرط ہے طہارت مگر ایک ذرا پانی کے استعمال سے ضرر کا اندیشہ ہوا یا بیماری کا خوف پیدا ہوا اور فرض طہارت کا تبدیل ہو گیا غسل یا وضو کے بجائے تیمم کا حکم ہوا۔ یہ کس لئے؟ صرف مادی جسم کی صحت کی خاطر خود نماز میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے غیر معمولی مشقت اور ناگواری ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں دشواری ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔

یہ سب مادی جسم کے راحت و آرام کا خیال نہیں تو کیا ہے۔ سفر میں قصر نماز کا حکم بھی صرف اسی بنیاد پر ہے۔ ظاہر ہے کہ روح میں سفر اور حضر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا یہ سفر کی مادی مشقت ہی ہے جس کے لحاظ سے فرض کی مقدار میں تخفیف کر دی گئی۔

نماز کے شرائط میں سے لباس بھی ہے۔ ریشم کے کپڑے میں نماز مردوں کے لئے ممنوع قرار دی گئی ہے مگر جہاد کی حالت میں ریشمی لباس کی اجازت دی۔ صرف جسمانی مصلحت سے، اس لئے کہ ریشم زخم کے لئے نافع ہے۔

خود روزہ کا حکم جسے بہت زیادہ انسان کے مادی پہلو سے تغافل کا حامل بتلایا جا رہا ہے، اس میں کس قدر انسان کے حالات کی مراعات کی گئی ہے۔ اگر انسان مریض ہو

اور اندیشہ مضرت ہو تو روزہ کے فرض کو ساقط کر دیا گیا۔ اسی طرح ضعیف العمر لوگ جنہیں روزہ معمولی طور پر شاق و ناگوار ہو۔ یا زن حاملہ اور مرضعہ ان سب کو اجازت دی گئی کہ وہ روزہ کو ان حالات میں ترک کر دیں۔ سفر کی حالت میں بھی روزہ کو ساقط کیا گیا۔ کیا یہ انسان کی مادی زندگی کا ہی لحاظ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ کہنا بالکل حقیقت سے دور ہے کہ اسلام نے مادی زندگی کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے اور روحانیت کی دھن میں مادیت سے بہت حد تک تغافل برتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اسلام نے قدم قدم پر مادی ضروریات کا لحاظ کیا ہے۔

بیشک وہ مادی راحت و آرام اور لذت و مسرت کی اتنی خاطر داری نہیں کر سکتا کہ فرائض کو بالکل نظر انداز کر دے اور انسان کو مطلق العنان بنا دے وہ اس زندگی کو بالکل قربان کر دینے کی دعوت دیتا ہے جب کہ بلند مقاصد کا تحفظ اور روحانیت کا ارتقاء جان کو خطرہ میں ڈالنے پر موقوف ہو جیسے جہاد کی منزل۔

نیز اس حد تک مشقت برداشت کرنے کو لازمی قرار دیتا ہے جو احکام و تکالیف کا فطری و طبعی لازمہ ہے۔

بیشک ان تکالیف شرعیہ میں مصالح و حکم مضمر ہوتے ہیں اور فوائد مترتب ہوتے ہیں

روزے کے روحانی فوائد

اب سوال کے اس جزو پر نظر ڈالنے کا وقت آیا ہے کہ اسلام نے تیس دن کے روزے کیوں قرار دئیے اور کیا اس سے صرف روحانی ارتقاء مقصود ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ واجبات جو اصطلاحی حیثیت سے عبادت قرار

دئے گئے ہیں یعنی قصد قربت کی ضرورت ہے۔

ان سے روحانی ارتقاء ضرور مقصود ہے۔ اگر فقط جسمانی فائدہ مدنظر ہوتا تو ان کا کسی نہ کسی طرح انجام پاجانا خواہ بغیر قصد قربت کے ہو ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کیلئے کافی ہوتا مگر قربتہً الی اللہ اس عمل کے بجالانے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کو روحانی ترقی کے لئے بجالاتے ہیں مگر اسلام کے جتنے عبادات ہیں وہ صرف تصور و خیال سے متعلق نہیں ہیں کہ اس میں اعضائے جسمانی کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ ان میں حرکات و سکنات یا کیفیات بھی قرار دئے گئے ہیں جو جسم سے متعلق ہیں اور اس لئے روحانی ارتقاء کے ساتھ ان میں مادی فوائد بھی مضمر ہیں۔

روحانی ارتقاء ادراک و معرفت سے پیدا ہوتا ہے اور شریف جذبات کے پیدا ہونے سے، اس کا تعلق اللہ سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے افراد نوع یعنی بندگان خدا سے بھی اور مادی فوائد انفرادی بھی ہو سکتے ہیں یعنی وہ جو تنہا اس کی ذات سے وابستہ ہیں اور اجتماعی بھی ہو سکتے ہیں یعنی جو دوسرے بنی نوع تک پہنچتے ہیں۔

اب دیکھئے کہ روزہ ان حیثیتوں سے کتنے فوائد کا حامل ہے۔

سب سے پہلی چیز ارتقائے روحانی جو احساس عبودیت سے پیدا ہوتا ہے یہی عبادت کی اصل روح و حقیقت ہے اور اس سے انسان کو اپنے افعال و اعمال کی نگرانی کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو خالق کی رضامندی کے خلاف ہو ممکن کی انتہائی بلندی واجب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مرتبط ہونے میں ہے اور یہ ارتباط قوی ہوتا ہے۔ اپنی نیازمندی اور احتیاج کے اعتراف سے۔ جتنا اس کو اپنی حاجت مندی کا بارگاہ الٰہی میں زیادہ اقرار ہوگا اتنی ہی اس کی نگاہ آرزو اس

کی جانب زیادہ مڑے گی اور دست توسّل اسکی طرف زیادہ بڑھے گا۔ اور جس قدر دامان آرزو اس کا زیادہ پھیلے گا اسی قدر فیاض اور جواد مالک کی طرف سے عطا کی بارش زیادہ ہوگی۔ اسی اعتراف نیازمندی کا نام ہے احساس عبودیت اور اسی درجہ کے حصول کا نام عبدیت ہے جس کی ترقی انسان کا طرۂ امتیاز بلکہ معراج کمال ہے یہاں تک کہ وہ ہستی جو کائنات کی ترقی کا آخری نقطہ ظہور رکھتی۔ یعنی رسول اکرمؐ کی ذات اُن کے درجہ کی بلندی کا سب سے زیادہ نمونہ جو عالم شہود میں پیش کیا گیا جس کا نام ہے معراج۔ وہ بحیثیت نبی نہیں۔ بحیثیت رسول نہیں بلکہ صرف بحیثیت عبد تھا۔ اسی لئے ارشاد ہوا سُبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

اس احساس عبودیت کا اثر زندگی کے ہر شعبے پر پڑے گا اور جو عمل اس احساس کا پیدا کرنیوالا ہو وہ انسان کی زندگی کی عملی اصلاح کا باعث ہے ممکن ہے کہ کوئی عمل بذات خود جزئی حیثیت رکھتا ہو لیکن اگر اس نے انسان کے دل و دماغ کو اس احساس عبودیت کا مرکز بنادیا تو نتیجہ اس کا کلی ہوگا جیسا کہ ارشاد ہوا ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر نماز بری باتوں سے باز رکھنے والی ہے یہ صرف اس احساس و انفعال کی بنا پر جو نماز سے نفس انسان میں پیدا ہو سکتا ہے۔

اب دیکھئے کہ روزہ کی منفعت بھی قرآن مجید نے کیا بتلائی ہے پڑھئے آیت صوم یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

"اے ایمان لانیوالو تم پر روزہ رکھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ شاید کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے"۔ لفظی ترجمہ میں کہہ تو دیا میں نے "شاید" مگر اس شاید کا مطلب کیا ہے؟ یاد رکھنا چاہئے کہ تمنّی، ترجی، استفہام اور تعجب کے الفاظ جب ہماری زبان پر جاری

ہوتے ہیں تو وہ کچھ خاص طرح کے کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں۔

تمنا ایک ایسی شے کے مطلوب اور محبوب ہونے کا پتہ دیتی ہے جس کا حصول انسان کے قدرت اور اختیار سے باہر ہو۔ ترجی ایک ایسی شے کے وقوع کی امید یا گمان غالب کے اظہار کے لئے جس کا وقوع یقینی نہ ہو۔ اسی طرح استفہام و تعجب وغیرہ مگر جب ان الفاظ کا استعمال کلام الٰہی میں آئے تو وہ ان خصوصیات کے حامل نہیں ہو سکتے۔

وہ اگر تمنا کرے تو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ اس شے کے حصول کا آرزومند ہے مگر یہ اُس کے بس سے باہر ہے وہ اگر امید کے الفاظ استعمال کرے تو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ نتیجہ سے بے خبر ہے۔

معاذ اللہ۔ نہ اس کی قدرت قاصر اور نہ اُس کا علم کوتاہ ہے۔ پھر یہ ہونا چاہئے؟ بس اس نقص کے شائبہ کو دور رکھتے ہوئے جو اُن الفاظ کے مفہوم کا حاصل معنی ہو وہ خالق کے کلام سے ثابت رہے گا۔

جب وہ تمنا کے الفاظ استعمال کرے تو یہ سمجھ میں آئے گا کہ اس امر کے حصول اُس کو مدِ نظر اور مطلوب و محبوب ہے۔ مگر اس کو کسی وجہ سے وہ خود اپنی جبری طاقت سے کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے وہ آرزو کی لفظ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کافروں کی نسبت ارشاد ہو کہ لعلھم یومنون "کاش یہ لوگ ایمان لے آئیں"۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانا ان کا یقیناً خدا کو پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ مگر اپنی حکمت اور نظام عالم کی مصلحت کی مجبوری سے جو متقاضی ہے کہ بندوں کے افعال اُن سے اختیاری طور پر صادر ہوں وہ جبری طاقت سے سب کو ایمان کے راستے پر لانا بھی نہیں چاہتا ہی

لئے وہ تمنا کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یوں ہی اگر لعلّ کے لفظ کا استعمال ہو تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اس شے کے حصول کے لئے جو بعد میں مذکور ہے متقضی موجود ہے بے شک شرائط مفقود ہونے یا موانع پیدا ہونے کا امکان ہے اسلئے لعلّ کی لفظ صرف کی گئی اب اگر یہ لعلّ کسی خاص امر کے حکم کے بعد آئے تو یہ مطلب ہو گا کہ وہ قبل کا الاحکم اس کے بعد والے نتیجہ کا متقضی اور باعث ہے

اب یہ آیت کہ کتب علیکم الصیام..... لعلکم تتقون

جب اول کو آخر کے ساتھ مرتبط کر کے دیکھیے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ روزہ واجب کیا گیا۔ اسلئے کہ وہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہونے کا متقضی ہے۔

اب یہ ضمنی بات رہ گئی کہ "شاید" کی لفظ کیوں صرف کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ عدم علم کبھی تو واقع سے ناواقفیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور کبھی مقام اظہار میں عدم علم خود واقع کے تنوع اور اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے تشریح اسکی یہ ہے کہ روزہ یقیناً تقویٰ کا باعث اور متقضی ہے مگر بعض لوگ روزہ کو ایسے موانع کیساتھ بجالاتے ہیں جو اس کا اثر پیدا نہیں ہونے دیتے بعض لوگ اس طرح انجام دیتے ہیں کہ اثر ناقص ہوتا ہے اور کم ایسے ہیں جو اس طرح بجالائیں کہ اثر بالکل مکمل ہو جائے۔

خطاب خالق کا اگر فرد واحد سے ہوتا تو یقیناً وہ اپنے علم کی بنا پر ہر شخص کے متعلق روزہ کا جو نتیجہ ہو گا اسے قطعی طور پر بیان کر دیتا۔ اسی طرح اگر مخاطب بہت سے افراد الگ الگ اپنے خصوصیات انفرادی کے تفصیلی لحاظ کے ساتھ ہوں تب بھی آسان ہے کہ ہر ایک کو الگ الگ اس کا نتیجہ بتا دیا جائے لیکن جب کہ تمام عالم انسانی کو ایک عنوان عام کے ذریعہ سے مخاطب کیا جائے اور اس عنوان عام کے خصوصی افراد

میں تنوع و اختلاف ہے تو ضروری ہے کہ مقام اظہار میں تردد اور احتمال کا پردہ پڑ جائے
اسلئے نہیں کہ اسکا علم ناقص ہے بلکہ اس لئے کہ اس عنوان کے لحاظ سے کوئی معین
نتیجہ خود حقیقت امر واقع میں نہیں ہے۔ وہ اگر یا ایھا الذین امنوا کے الفاظ سے تعلیم
کر رہا ہوتا کامل افراد انسانی مثلاً خاص محمد و آل محمد علیہم السلام کو تو اس وقت نتیجہ قطعی
ہوتا کیونکہ ان کا روزہ یقیناً اسی شان کا ہے جو تقویٰ کی صفت کا ضامن ہے لیکن
جب کہ مخاطب تمام جماعت مومنین ہے جس میں کامل بھی ناقص بھی تو کیسے قطعی طور پر
کہا جائے کہ تم روزہ رکھو گے تو تقویٰ کی صفت ضرور پیدا ہو گی بے شک یہ روزہ چونکہ
مقتضی اور باعث اس کا ہے اس لئے بطور غلبہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد تقویٰ کی
صفت پیدا ہونے کی امید ہے۔ لیکن یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس امید کو پورا ہونے دو اور
ایسے موانع نہ پیدا کرو جو روزہ کی تاثیر کو نیست و نابود کر دیں یا ناقص بنا دیں۔ اب
دیکھئے کہ یہ تقویٰ کی صفت ہے کیا؟ جسے مقصد نتیجہ صوم قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ صفت اتنی بلند ہے کہ اسے عظمت انسانی کا معیار قرار دیا ہے ان اکرمکم عند اللہ
اتقاکم "تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ کی صفت رکھتا ہو"۔ لوگ
ترجمہ کرتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔ مگر خدا سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟
یاد رکھئے کہ ڈرا جاتا ہے تین قسم کی چیزوں سے۔ ایک وہ کریہہ المنظر چیزیں جو اپنی
منافرت طبعی کے باعث ڈراؤنی ہوں جیسے غول بیابانی کا خیالی مجسمہ یا اس کی تصویر
دوسرے وہ جس کا سابقہ انسان کو نہ پڑا ہو اور پہلے پہل اس کا سابقہ ہو رہا
ہو اس لئے طبیعت اس سے غیر مانوس ہو اور وحشت کرتی ہو۔
تیسرے وہ جو بمقتضائے طبیعت آزار رساں اور تکلیف دہ ہوں جیسے زہریلے اژ

کاٹنے والے جانور یا پھاڑ کھانے والے درندے۔
اب دیکھئے کہ خدائے قدوس کی ذات میں کیا ان میں سے کوئی سبب بھی ڈرنے کا
پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ڈراؤنا کیسا وہ تو جمال مطلق ہے اور انسان کا شروع سے
کفیل اور سرپرست ہے اسی کی نعمت و عطا میں انسان نے آنکھ کھولی اور ایک ایک
نفس کی منزل طے کرتا عمر کے اس نقطہ تک پہنچا پھر اگر باپ ماں کے ساتھ انسان کو انس
و محبت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ انس و محبت اپنے پروردگار کے ساتھ ہونا چاہیئے۔
معاذ اللہ وہ آزار رساں ہے اس کے جابر و قہار ہونے کے وہ معنی ہرگز نہیں جیسے
بادشاہوں کو جابر و قاہر کہتے ہیں یا جیسے غصہ ور آدمی سے آدمی ڈرتا ہے کہ بات نہ
کریں ورنہ پھاڑ کھائے گا۔ خدا تو وہ ہے کہ سبقت رحمتہ غضبہ اس کی رحمت غضب
کے آگے ہے وہ جابر و ظالم ہرگز نہیں بلکہ جابر العظم الکسیر ہے (ٹوٹی ہڈیوں کا جوڑ
دینے والا)

پھر ڈرنا کس سے کا ہے کا حقیقت میں خدا سے انسان کو نہیں ڈرنا ہے بلکہ اپنے
نفس سے ڈرنا ہے۔ اپنی اعمال سے ڈرنا ہے کہ جو خداوند عالم کی مرضی کے خلاف ہوں اور
جتنی خدا کی عظمت نگاہوں میں زیادہ ہو گی اتنا اپنے عمل کی کوتاہیوں کا اندیشہ زیادہ پیدا
ہو گا اسی کا نام ہے تقویٰ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے قلب و دماغ کے متاثر ہونے کا عظمت
الٰہی کا احساس ہے جب یہ اثر انسان کے نفس پر قائم ہو جائے گا تو انسان کے تمام افعال
اعمال میں توازن اور اعتدال اور خصوصی طور پر فرض شناسی کا ملکہ پیدا ہو جائے گا کیونکہ
تمام افعال اگرچہ اعضاء انسانی کے اعتبار سے بٹے ہوئے ہیں اور جرائم بھی اسی لحاظ سے
تقسیم ہیں۔ کچھ نگاہ کے گناہ ہیں۔ کچھ قوت سامعہ کے کچھ لامسہ کے۔ کچھ ہاتھوں کے اور کچھ

پیروں کے۔ لیکن جیسا حکماء نے کہا ہے کہ النفس فی وحدتہا کل القویٰ نفس انسانی اپنی یکتائی کے ساتھ تمام قوتوں کا مجمع ہے جو طاقت نفس کو متاثر بنا دے گی۔ وہ بہ وقت واحد تمام قوائے عملی اور کل اعضاء و جوارح پر اثر انداز ہو جائے گی۔ اور جو شے نفس کو متاثر بنا دے وہ انسان کے تمام افعال و اعمال میں فرض شناسی کا ملکہ پیدا کر دیگی جس کا دوسرا نام ہے تقویٰ۔ اسی لحاظ سے نماز کو کہا گیا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر نماز بری باتوں اور گناہوں سے روکتی ہے اور اسی اعتبار سے روزہ کو تقویٰ کا سبب بتلایا گیا ہے۔ کہ کتب علیکم الصیام...... لعلکم تتقون

اب دیکھئے کہ روزہ کیونکر انسان کے نفس پر خداوندی عظمت کے اثر کو قائم کرتا ہے بات یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ضروریات کو بہت کچھ سمجھتا ہے اور اس درجہ ان سے مرعوب ہے کہ وہ اپنے کو ان کے شکنجہ میں گرفتار پاتا ہے اور ان سے باز رہنا اپنے لئے انتہائی دشوار۔ کھانے پینے اور ضروریات زندگی کا کیا ذکر، غیر عقلی چیزیں جن کا انسان عادی ہو جاتا ہے جیسے سگریٹ بیڑی حقہ، تمباکو وغیرہ ان کا انسان ایسا پابند ہو جاتا ہے کہ ان سے پرہیز کے تصور سے لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے اور اس معاملہ میں ذرا کسی کی خاطر کم گوارا کر سکتا ہے، کوئی آپ کا دوست، کوئی عزیز، کوئی قابل احترام فرد آپ سے کہے کہ دن بھر فاقہ کرو، سگریٹ نہ پیو، حقہ نہ پیو، تمباکو نہ کھاؤ۔ میں ہرگز نہیں سمجھتا کہ آپ اس بارے میں کسی کی خاطر داری گوارا کریں گے۔ مگر روزہ میں خالق کی غیبی طاقت کا دباؤ ہوتا ہے جس کے اثر سے آدمی ان تمام باتوں سے جو عام طور سے اس کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں باز رہتا ہے۔ انسان اس کے حکم کے مقابلہ میں اپنے ضروریات کو

ہیچ سمجھتا ہے اور اپنی تکلیف کو گوارا کر لیتا ہے یاد رکھئے کہ اسی احساس کی ترقی وہ ہے جو ایک وقت میں انسان کو میدانِ جہاد میں اپنی جان تک کی قربانی پر آمادہ کر سکتی ہے صرف اس لئے کہ خالق کی عظمت اور اس کے حکم کی اہمیت کا احساس اتنا ہے کہ انسان اپنی زندگی بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھنے لگا۔

بیشک یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ خود روزہ کا رکھنا اس احساس پر موقوف ہے یعنی اگر انسان کے نفس میں خالق کی عظمت اور اس کی اہمیت کا اثر ہوا ہی نہ ہو تو وہ روزہ رکھنے کی زحمت کیوں برداشت کرے گا۔ خود روزہ رکھنا اس احساس کا نتیجہ ہے پھر روزہ اس احساس کے پیدا کرنے کا سبب کیسے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کا جواب بالکل آسان ہے جس طرح جسمانی ورزش، ظاہر ہے کہ وہ طاقت پر موقوف ہے اگر طاقت ہو ہی نہ تو انسان ورزش کیسے کر سکتا ہے لیکن خود ورزش طاقت کا سبب بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک خاص درجہ تک قوت کا جسم میں ہونا ورزش کے لئے پہلے سے ضروری ہے لیکن ورزش کے ذریعے سے اس طاقت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یوں ہی ایک خاص درجہ کا خداوند عالم کا اعتقاد پہلے سے ضرور ہوگا جب انسان روزہ رکھے گا اسی لئے آیت صوم میں سرنامۂ حکم قرار دیا گیا ہے یا ایہا الذین امنوا اگر ایمان ہی نہ ہوا تو روزہ کی حکم کی تعمیل بھی نہ ہوگی۔ لیکن پھر روزے کے ذریعہ سے اس تصور اور احساس میں ترقی ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ درجہ حاصل ہو جائے جو روزہ کے قبل ہرگز حاصل نہ تھا۔

اب ایک دوسرا پہلو ملاحظہ کیجئے۔ جتنے جرائم ہیں ان کا سرچشمہ ہیں انسان کے رجحانات یعنی جن کا نام ہے جذبات، خواہ قوت غضبی کے ماتحت ہوں اور خواہ قوت شہوی کے

ماتحت اور انسان کی انسانیت ان رجحانات طبعی پر قابو حاصل کرنے میں مضمر ہے انسان وہ
نہیں ہے جسے غصہ آئے ہی نہ غصہ تو انسان کے لئے ایک ضروری چیز ہے جس سے بہت سے
قابل تعریف اقدامات بھی عمل میں آتے ہیں لیکن انسان وہ ہے جو غصہ کا بے محل استعمال نہ
کرے انسان وہ نہیں ہے جس کی قوت شہویہ بالکل مردہ ہو یعنی خواہشوں کی جس میں
پیداوار ہی نہ ہو۔ ایسا شخص تو مریض ہے۔ انسان وہ ہے جو اپنی خواہشوں کو صحیح طور پر
موقع محل کے دیکھنے کے ساتھ پورا کرے۔ انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے۔ کھانے کی
خواہش حیوان کو بھی ہوتی ہے اور انسان کو بھی۔ مگر حیوان کو جب غذا کی خواہش
ہوتی ہے تو وہ جس کا سبزہ زار ملے گا۔ اس میں چرنے لگے گا۔ اگر انسان بھی ایسا ہوا
کہ بھوک لگی تو جس کا مال ملا کھا گیا تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں غصہ انسان
کو بھی آتا ہے اور حیوان کو بھی۔ مگر حیوان کو جب غصہ آئے گا تو وہ یہ نہیں دیکھے گا
کہ اگر سامنے چھوٹا بچہ ہے یا ضعیف العمر یا جوان اسے حملہ کر دینے سے مطلب ہوگا
اگر انسان نے بھی غصہ کے وقت موقع اور محل کی کوئی تمیز نہ کی تو اس میں اور درندے میں
کیا فرق ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انسان وہ ہے جو اپنے غیظ و غضب اور شہوت
اپنے تمام رجحانات اور خواہشوں پر خود تسلط قائم کرے اور قابو رکھے۔ انسان کی انسانیت
اسی سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم۔ اسلامی شریعت کے احکام تمام تر انسان کے اسی
جوہر کو ترقی دینے والے ہیں اس نے ایسے ذرائع اختیار کئے ہیں کہ انسان کو اپنی خواہشوں پر
زیادہ سے زیادہ قابو حاصل کرنے کا ملکہ حاصل ہو جائے اس کے لئے اس نے مختلف صورتیں
اختیار کی ہیں۔ جس طرح ورزش جسمانی میں آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ جسم کو مختلف پہلوؤں
کی طرف بار بار موڑا جاتا ہے اور ایک ہی وزن کو مختلف صورتوں سے اٹھایا جاتا ہے

اور مختلف طرح گردش دی جاتی ہے صرف اس لئے کہ جسم میں لوچ پیدا ہو۔ اور ارادہ کے
ماتحت جس طرح کی حرکت کی ضرورت ہے اور جس طرح کا وزن جس صورت پر اٹھانا
ہو اس کی صلاحیت پیدا ہو اسی طرح اسلام نے انسان کے نفس کی ریاضت کی ہے
اور مختلف صورتوں سے اس کو اپنی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کی مشق کرائی ہے سب
سے پہلی صورت یہ تھی کہ مختلف طرح کے لذائذ میں اس نے کسی کے استعمال کا نوعی
طور پر سد باب نہیں کیا۔ اگر اس نے پہلے ہی سے رہبانیت کی زندگی کی تلقین کی ہوتی
اور لذات دنیا سے علیحدہ ہی کر دیا ہوتا تو پھر بھی آسان تھا انسان کے جذبات
مردہ ہو جاتے اور ذوق طلب پیدا ہی نہ ہوتا مگر اس نے طعام کی جنس میں لذیذ سے
لذیذ غذاؤں کی اجازت اور اس طرح انسان کے کام و دہن کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر
بھی یہ کہہ دیا کہ خبردار حیوان وہ ہو جو ماکول اللحم اور ذبیحہ ہو۔ اس طرح انسان میں فرض
شناسی کا جذبہ پیدا رہا اب انتہائی لذیذ گوشت سامنے موجود ہے مگر یہ علم ہوا
کہ وہ ذبیحہ نہیں ہے اور انسان نے منہ موڑا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان شکم پری کی
خواہش میں قابو سے باہر نہیں ہوا اسی طرح بہتر سے بہتر کپڑا پہنے مگر حریر محض نہ ہو
اب آپ کو اچھے سے اچھے کپڑے کی فکر دامنگیر ہے پھر بھی ایک کپڑا نظر آتا ہے جو
سلک کا ہے بہت عمدہ کپڑا ہے۔ دل ترپا جاتا ہے مگر آپ اس کی خریداری سے کنارہ
کش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ شرع کے خلاف ہے۔

انتہا ہے کہ جیسا میں نے دوسرے موقعے پر کہا ہے وہ خالص مادی خواہشیں جو
بہت کم انسان اور حیوان میں فرق باقی رکھتی ہیں ان کا تقاضا شدید ہے اور اسباب
سب مجتمع، موانع سب برطرف، دونوں دل راضی پھر بھی ایک پابند شرع انسان کو

خیال آتا ہے کہ جب تک وہ خاص الفاظ جن کا نام ہے صیغۂ عقد زبان پر جاری نہ ہو جائیں اس وقت تک یہ حرام ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جذبات نفس کے اس تلاطم میں بھی انسان قابو سے باہر نہیں ہوا اور اُسے فرض کا احساس قائم ہے۔

یہ تمام صورتیں انسان کو اپنی خواہشوں پر قابو رکھنے ہی کے سلسلے کی تھیں مگر یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو مستقل طور پر ناجائز ہیں، ایک انسان جس نے تربیت اچھی پائی ہے چونکہ کبھی ان اشیاء کے قریب نہیں گیا اس لئے اُسے ان کی طلب بھی نہیں ہے بلکہ نفس میں اکثر ایک طرح کی نفرت ان چیزوں سے مرتکز ہو گئی ہے، وہ لاکھ شراب کے دلاویز تذکرے سنے مگر اس کا دل کبھی اس طرف مائل نہیں ہوتا اس لئے کبھی پی ہی نہیں وہ ڈاکٹروں کی زبانی سور کے گوشت کے فائدے سنتا ہے مگر کبھی رغبت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اس کے استعمال کی دعوت دے تو ایک تنفر سا پیدا ہوگا۔

یوں ہی تمام معاصی جن سے مستقل طور پر علیحدہ رہا ہے ان کی آرزو بھی اس میں باقی نہیں رہی ہے۔ قدرت نے چاہا کہ ایک ایسا موقع بھی آجائے جب وہ ہی حلال اور جائز خواہشیں جنھیں انسان پورا کرتا ہے یک قلم محدود زمانہ تک جو کافی طولانی بھی ہے روک دی جائیں۔ یہ ہے سخت آزمائش، شراب نہ پینا آسان ہے مگر گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت جب تھوڑا سا راستہ چل کر دھوپ میں آئے بھی ہوں۔ ٹھنڈا پانی سامنے کورے گھڑے میں رکھا دیکھتے ہوئے اس پانی کی طرف رخ نہ کریں۔ بھوک کی شدت ہے اور روزہ کے آثار کا وقت۔ مگر کھانے کی طرف توجہ نہ ہو حالانکہ ساعت شماری کیسی دقیقہ شماری ہو رہی ہے مگر یہ طریقہ شماری بھی فرض شناسی کا نتیجہ ہے اور دوسری طرح کی بھی مادی خواہشوں کے اسباب مجتمع ہوں مگر فرض

سد راہ ہو گرم وقت میں خوشگوار حوض کے پانی میں اتریں اور دل چاہے کہ غوطے پر غوطہ لگائیں مگر احساس مانع فرض ہے۔

یہ وہ چیز ہے جس سے انسان کی ہر خواہش اس کے قابو میں نظر آتی ہے اور تکرار عمل اور استمرار سے یہ ملکہ کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے اور انسان اُس انسانیت کے جوہر میں ترقی کرتا ہے جو اُس کا طرۂ امتیاز ہے

اس کے علاوہ روزہ سے ایک اور شریف احساس انسان میں پیدا ہوتا ہے اور وہ غریبوں کی تکلیف اور اُن کے دکھ درد کی قدر ہے۔ مالدار اور صاحب ثروت لوگ جنہیں ہر طرح کے ذرائع حاصل ہیں اُنہیں کبھی بھوک کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا اور اسی لئے غریبوں کی قدر نہیں کرتے اُنہیں کبھی تکلیف بھی ہوئی تو سوء ہضم اور خرابی معدہ کی۔ جبران خلیل جبران عرب کا ممتاز انشا پرداز تھا۔ اس نے ایک تمثیلی قصہ میں اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا ہے کہ میں راستے سے گزر رہا تھا ایک دولتمند کو دیکھا پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے معلوم ہوا اس نے کھانا زیادہ کھا لیا۔ زیادتی غذا کی وجہ سے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔

آگے بڑھ کر ایک غریب کو دیکھا پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے۔ معلوم ہوا یہ فاقہ سے ہے اور بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہے۔ اگر وہ فاضل حصہ غذا کا جو دولتمند نے بلا ضرورت کھا لیا اس غریب کو مل جاتا تو دونوں اس تکلیف سے محفوظ رہتے نہ اس امیر کو درد شکم کی زحمت ہوتی نہ اس غریب کو بھوک کی تکلیف برداشت کرنا پڑتی

شریعت نے چاہا کہ ہر سال ایک ایسا موقعہ بھی آجائے جب مستقل طور پر کچھ عرصے کے لئے امیروں کو بھی بھوک کی تکلیف کا احساس ہوجائے اور غریبوں کی تکلیف کی قدر اور اس طرح انکی خبرگیری کرنا اختیار کریں۔

یہ معنوی فوائد کا شعبہ تھا اب ہیں مادی فائدے، وہ بھی [illegible] دو قسم کے ہیں ایک وہ جو خود اس شخص کی ذات کو پہنچ سکتے ہیں دوسرے وہ جو اجتماعی حیثیت رکھتے ہیں یعنی قوم کو پہنچ سکتے ہیں۔ مادی فائدوں میں پہلا یہ ہے کہ انسان کے جسم کے اکثر اخلاط فاسدہ اور مواد ردیہ جو اعضا و امعا میں مجتمع ہوگئے ہیں وہ روزہ کے سبب سے تحلیل ہوجاتے ہیں۔ اطبا سے دریافت کیجئے فاقہ اکثر امراض کا مستقل علاج ہے اور بہت سی صورتوں میں نافع ہے۔

دوسرے یہ کہ معدہ جوام الامراض ہے اور اسی لئے سرچشمہ صحت ہے اس کے اعتدال کو قائم کرنے کے لئے گیارہ مہینے تک جو مشین چلتی رہتی ہے اُسے ایک ماہ تک کسی حد تک راحت لینے کا موقع دیا جاتا ہے اگر بے اعتدالی سے کام نہ لیا جائے تو تجربہ بتلاتا ہے کہ ماہ صیام کے بعد معدہ میں از سر نو ایک طاقت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا نظام بہ نسبت پہلے کے بہت درست ہوجاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ انسان کو محنت و مشقت کی عادت پڑتی ہے اور قوت برداشت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح اسمیں جہد للبقا کے مختلف حالات سے گزرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ سپاہیوں کی فوجی تربیت کا انداز بھی یہ ہوتا ہے کہ انہیں مختلف سرد و گرم حالات کا مقابلہ کرایا جائے اور اُن کو مشکلات کی مقاومت پر تیار کیا جائے۔

اجتماعی فائدہ جو روزہ سے حاصل ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان اگر اُسکی آمدنی ضروری مصارف سے زائد نہیں ہے اکثر قومی اور مذہبی کاموں میں حصہ لینے یا دوسرے

لوگوں کی خبرگیری کا حوصلہ رکھتا ہے مگر اپنے اور اپنے متعلقین کے کھانے کے مصارف سے اس کو کچھ بچتا ہی نہیں ہے مصلحین قوم اکثر ایسے مقاصد کے لئے مہینہ میں ایک یا ہفتہ میں ایک دن گوشت نہ کھانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

شریعت نے روزہ کا جو حکم دیا ہے اس میں انسان اگر خواہ مخواہ کے لذائذ کام و دہن کے پورا کرنے کا خیال نہ کرے اور صحیح طور پر عمل کرے تو ایک مہینے میں ہر انسان کے مصارف میں سے ایک وقت کے کھانے کے صرف کا بڑا حصہ پس انداز ہوسکتا ہے اور تمام قوم کا اگر یہ روزوں کا پس انداز کردہ حصہ جمع ہو تو بڑے بڑے ضروری مذہبی و قومی امور اس سے انجام پاسکتے ہیں۔

ائمہ معصومین علیہم السلام نے اُن میں سے اکثر فوائد پر اپنے بصیرت افروز بیانات میں اپنی معجز نما الفاظ سے روشنی ڈالی ہے ذیل میں یہ احادیث درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) عن هشام بن الحكم انه سأل ابا عبد الله عن علة الصيام فقال انما فرض الله الصيام ليستوي به الغني والفقير وذلك ان الغني لم يكن ليجد مس الجوع فيرحم الفقير لان الغني كلما اراد شيئا قدر عليه فاراد الله تعالى ان يسوي بين خلقه وان يذيق الغني مس الجوع والالم ليرق على الضعيف ويرحم الجائع۔

ہشام بن الحکم کی روایت ہے انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ روزہ کے حکم کا کیا سبب ہے حضرت نے فرمایا روزہ واجب قرار دیا گیا تاکہ ایک وقت ایسا بھی ہو جسمیں مالدار اور فقیر برابر نظر آئیں بات یہ ہے کہ مالدار آدمی بھلا کاہے کو کبھی بھوک کی تکلیف کا احساس کرتا کہ فقیر پر رحم کرے کیونکہ مالدار جب کسی چیز کو چاہتا ہے تو وہ مہیا ہوجاتی ہے۔ خداوند عالم نے چاہا کہ اپنی خلق میں مساوات قائم کرے اور مالدار

کو بھوک کی تکلیف کا مزہ چکھا دے، تاکہ وہ کمزور پر نرم دل ہو اور بھوکے پر ترس کھائے۔
یہ وہ روحانی فائدہ ہے جو خلقِ خدا کے لحاظ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) زرارہ کی روایت امام جعفر صادقؑ سے لکل شئی زکوٰۃ و زکوٰۃ الاجسام الصیام
ہر شے کے لئے ایک پاک کرنیکا ذریعہ ہوتا ہے اور جسم کے (اخلاط فاسدہ سے) پاک کرنے کا
ذریعہ روزہ ہے۔

یہ وہ پہلا مادی فائدہ ہے جو انفرادی زندگی سے متعلق ہیں نے عرض کیا تھا۔

(۳) محمد بن سنان کی روایت امام رضاؑ سے جو تحریری مسائل انہوں نے دریافت
کئے تھے اس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

علة الصوم لعرفان مس الجوع والعطش ليكون العبد ذليلا مستكينا ماجورا محتسبا صابرا و
يكون دليلا له على شدائد الآخرة مع ما فيه من الانكسار له عن الشهوات
واعظا له في العاجل دليلا على الآجل ليعلم شدة مبلغ ذلك من اهل الفقر
والمسكنة في الدنيا والآخرة روزہ کا سبب یہ ہے کہ انسان بھوک پیاس کی تکلیف سے
واقف ہو تاکہ اس کے نفس میں جھکاؤ اور فروتنی پیدا ہو یعنی انسان میں قوت اور طاقت
اور اقتدار کا جو غرور ہے وہ یہ دیکھ کر کہ ایک فاقہ میں اس کی کیا حالت ہو گئی ذرا کم
ہو اور وہ مستحق اجر و ثواب بنے اور اس میں تکلیف کے برداشت کا ملکہ پیدا ہو اور یہ
دلیل ہو آخرت کی سختی پر یعنی وہ سمجھے کہ جب دنیا کی ذراسی تکلیف میں میرا عالم یہ ہے
تو آخرت کی سختی میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اسمیں نفسانی خواہشوں
کو شکست دینا بھی مضمر ہے اس میں دنیا میں نصیحت حاصل ہوتی اور آخرت کے لئے
رہنمائی تاکہ اس کو دنیا و آخرت دونوں کے فقر و فاقہ کی کیفیت کا اندازہ ہو۔ دنیا کے

فقر و فاقہ کا احساس ہوگا تو غریبوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگی اور آخرت کے فقر
کے احساس سے اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کرنے کی فکر ہوگی۔

اس حدیث میں متعدد ان پہلوؤں کی طرف اشارہ آگیا ہے جنکی تشریح سابق میں ہو چکی
(۴) فضل بن شاذان کی روایت میں جو امام رضاؑ سے۔ علاوہ ان تمام امور کے یہ فقرہ
بھی ہے کہ یکون ذلك واعظا لهم في العاجل ورائضا لهم على اداء ما كلفهم
ان کیلئے نصیحت کا باعث ہوتا ہے اور ایک طرح کی ریاضت یعنی تیاری کی
مشق ہے اُن فرائض کے ادا کرنے کے لئے جو اس کے ذمہ واجب الادا ہیں" یہ روحانی
ارتقاء کا وہ اہم پہلو ہے جسے مبسوط بیان کے ساتھ پہلے پیش کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ روزہ میں روحانی فوائد ہیں اور مادی فوائد بھی اور یہ خیال کرنا بالکل
غلط ہے کہ اسلام نے روحانیت کی دھن میں مادیت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے

صوم وصال

اگر اسلام نے مادی پہلو کو روزہ کے باب میں نظر انداز کیا ہوتا تو صوم وصال کی
اجازت دیدیتا۔ صوم وصال کیا ہے؟ دو دن یا اس سے زیادہ کا روزہ اس طرح کہ درمیان
میں افطار نہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں تعب نفس بہت زیادہ ہوگا اور اگر روحانی
زندگی کا معیار یہی ہو تو اس میں بلندی پیدا ہوگی مگر اسلام نے اس طرح کی روزہ کی
اجازت نہیں دی اُس کا روزہ صبح سے مغرب تک کی مدت سے آگے نہیں بڑھ
سکتا۔

سفر میں روزہ کے ترک کا حکم

یہ بھی روزہ کے حکم کیساتھ مادی پہلو کا لحاظ ہی ہے کہ شریعت نے سفر کی حالت میں جس طرح نماز کی چار رکعت کے بجائے دو رکعت رکھی ہے اسی طرح روزہ کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے ظاہر ہے کہ انسان کو جتنا اطمینان اور خاطر جمعی، راحت اور آرام گھر پر ہوتا ہے وہ سفر میں ہرگز نہیں ہوتا اس بنا پر شارع مقدس نے انسان سے روزہ کی تکلیف کو اس حالت میں ساقط کر دیا

بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ حکم قصر نماز اور ترک صوم کا اس زمانہ میں صحیح تھا کہ جب سفر انتہائی دشوار گزار اور سخت تھا۔

اونٹ کا سفر، ناہموار منزلیں اور سختی و صعوبت۔ اس زمانہ میں اس مراعات کی ضرورت تھی لیکن اب جب کہ ریل اور موٹر کے سفر نے راستوں کو آسان کر دیا ہے اور اکثر سیکنڈ کلاس یا فرسٹ کلاس تک میں سفر کی نوبت آتی ہے تو اس حالت میں اس مراعات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس قدیم زمانہ کے سفر کی زندگی کا اپنی روزمرہ کی شہری زندگی کے لحاظ سے موازنہ کرتے ہیں تو وہ انتہائی دشوار نظر آتا ہے اور اس کے لحاظ سے اپنا سفر کچھ بھی نہیں محسوس ہوتا لیکن اگر اس زمانہ کے لوگوں کی سفر کی زندگی کا انکی روزمرہ کی حضر کی زندگی سے موازنہ کریں اور اپنے سفر کو اپنے حضر کی اطمینانی زندگی کے لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کا سفر ان کے حضر کے لحاظ سے وہی نسبت رکھتا تھا جو ہمارے سفر کو نسبت ہمارے حضر کیساتھ ہے۔ اسلئے اگر انکے نظام عادت اور قوت برداشت کے لحاظ سے ان کا سفر اس مراعات کا مستحق ہے تو ہماری پُر آرام حضری زندگی کے لحاظ سے ہمارے

سفر کو اس کا مستحق ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ یہ دیکھئے کہ جس طرح ہمارے زمانہ کے لحاظ سے ہمارے سفر کا معیار مختلف ہے اور تھرڈ سیکنڈ فرسٹ کے درجے میں اسی طرح سابق زمانہ کے طرز سفر کے لحاظ سے اس زمانہ میں بھی اسی طرح مختلف درجے ضرور تھے امراء اور ارباب دولت یقیناً اس طرح سفر کرتے تھے جو اس زمانہ کی زندگی کے لحاظ سے بالکل پُر آرام سمجھا جاتا ہوگا۔ اگر قصر کا سفر کسی غیر معمولی مشقت کے لحاظ سے ہوتا تو اس میں یہ تفریق ہونا چاہیئے تھی کہ غریب لوگ جو زحمت و مشقت کے ساتھ سفر کریں وہ اس مراعات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن امیر لوگ جو راحت و آرام سے سفر کرتے ہیں وہ اس کے مستحق نہیں ہیں جب ایسا نہیں کیا گیا اور عمومی طور پر یہ حکم نافذ کر دیا گیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کسی غیر معمولی مشقت کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ یہ حکم اس ذاتی ناگواری اور بے اطمینانی کے لحاظ سے نافذ کیا گیا ہے جو سفر کا طبعی نتیجہ ہے۔

اب اس سے بڑھ کر انسان کی مادی زندگی کا لحاظ اور کیا ہوگا؟

کاروباری زندگی پر روزہ کا اثر

اعتراض ہے کہ ایک بھوکا پیاسا شخص نہ تو دن بھر کام کر سکتا ہے اور نہ اُس کو کام کرنا چاہیئے کیونکہ اگر اس نے کوئی سخت جسمانی محنت کی تو اس کا اثر اسکی صحت پر پڑنا یقینی ہے لیکن ایک غریب مزدور اگر ایسا کرنے سے قاصر رہا تو نتیجہ اسکی اقتصادی بدحالی اور مالی مشکلات ہوں گے۔

اس سوال کے کرتے وقت انسان تصور کرتا ہے اُسکی زندگی کا جو مزدور بسر کرتے ہیں جن میں ان کو دھوپ میں چلنا پھرنا اور کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ انجن میں کوئلہ دینا یا بوجھ اٹھانا

پڑتا ہے۔ اس سب کا تصور کرتا ہے اپنی راحت پسند اور آرام طلب طبیعت کے لحاظ سے
اور اسی بنا پر خیال کرتا ہے کہ وہ بڑا سخت کام ہے اور اس کے ساتھ روزہ ہرگز نہیں
ہو سکتا۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس پیشہ کو اختیار کر لیتا ہے اور
اس کو اپنے نظام زندگی کا جزو بنا لیتا ہے تو اس کی قوت برداشت اسی کے لحاظ سے
بڑھ جاتی ہے۔ ہم جب وقت مئی جون کی گرمی میں کاریگروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ
میں کھڑے دیوار اٹھا رہے ہیں یا مزدور اینٹیں ڈھو ڈھو کر پاڑھ کے اوپر پہنچا
رہے ہیں تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اگر ایک دفعہ اس سے آدھا بوجھا بھی
اتنی دور لے جائیں یا تھوڑی ہی دیر اس دھوپ میں کھڑے ہوں تو ہماری پیاس
کا التہاب انتہا کو پہنچ جائے اور ہم فوراً بیتاب ہو کر ٹھنڈے پانی کی طرف لپک
جائیں مگر کیا یہ لوگ اس دھوپ میں کھڑے ہو کر اور اس بوجھے کو اٹھا کر اسی طرح
بار بار پانی پیتے ہیں جس کی ہمیں اس موقع پر ضرورت کا احساس ہوتا ہے ہرگز نہیں
وہ پانی اسی طرح دن میں چند بار پیتے ہیں جس طرح گرمی کے موسم میں ہم پیتے ہیں اس
لئے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ روزہ کسی صورت سے رکھ ہی نہیں سکتے۔ جس طرح ہمیں
اتفاق سے اگر ایسی غیر معمولی مشقت پڑ جائے تو ہم روزہ نہ رکھ سکیں گے۔ اور اگر
انھوں نے روزہ رکھا اور روزہ سے بالفرض صحت پر اثر پڑنے لگا تو ان پر سے اس
موقع پر روزہ کی تکلیف ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح جس طرح ہمیں اگر اندیشہ مرض
پیدا ہو جائے تو روزہ کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اس صورت میں اقتصادی بدحالی
اور مالی مشکلات کیا پیدا ہو سکتے ہیں؟ یہ تو جب پیدا ہوتے جب انہیں مجبور کیا جاتا
کہ اگر صحت پر برا اثر پڑنے لگے تو وہ روزہ رکھے جائیں مگر اپنا کام ترک کر دیں ایسا ہرگز نہیں ہے

مدت صیام

روزہ کے وجوب کو قرآن مجید نے مخصوص زمانہ کے ساتھ محدود کیا ہے شہر رمضان
الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینات من الھدی والفرقان
ہم خصوصیت سے اسی مہینہ کی تعیین کے متعلق تو عقلی حیثیت سے کچھ نہیں سمجھ
سکتے اور اس سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ بہرحال یہ مہینہ نہ ہوتا تو کوئی اور مہینہ ہوتا
لیکن سوال یہ ہے کہ کسی ایک مہینہ کی تعیین کی ضرورت کیا ہے۔

اس کے لئے ہمیں غور کرنا چاہئے کہ روزہ کے وجوب کے لئے کتنی صورتیں خیال میں آتی
ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی زمانہ خاص ہوتا اور نہ کوئی تعداد مقرر ہوتی
بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ جس کو جتنی قدرت ہو اور جتنا دل چاہے اتنے روزے رکھ لے۔ دوسری
صورت یہ ہے کہ تعداد مقرر ہوتی مگر کوئی کیفیت مقرر نہ ہوتی مطلب یہ ہے کہ اختیار
دیا جاتا کہ سال بھر میں یا اتنے روزے پورے ہو جائیں۔ خواہ ایک ساتھ اور خواہ جدا جدا
تیسری صورت یہ ہے کہ تعداد بھی مقرر ہوتی اور کیفیت بھی معین ہوتی کہ ایک ماہ مسلسل
روزہ ہونا چاہئے مگر زمانہ مقرر نہ ہوتا بلکہ اختیار ہوتا کہ جب چاہو رکھ لو۔ اب دیکھنا یہ ہے
کہ یہ صورتیں کہاں تک مقصد تشریع کے مطابق ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ خاص مقصد قانون کا ضبط و نظام ہوا کرتا ہے اور اس ضبط و نظام کے
ساتھ پھر یہ کہ فرض کا احساس قائم رہے۔ مذہب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان
کی انفرادی زندگی میں مداخلت کرتا ہے اور پابندیاں عائد کرتا ہے یہی وہ چیز ہے جس میں
سلطنت کا قانون مذہب کے سامنے سپر انداختہ ہوتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے کیونکہ قانون
سلطنت صرف اجتماعی اور خارجی زندگی پر پابندیاں عائد کرتا ہے اور اس کا دارومدار مادی اسباب

کارہین منت ہے لیکن مذہب کا قانون براہ راست دل و دماغ اور ضمیر پر قبضہ کرکے انسان
کو اسکی تنہائی کی زندگی اور ذاتی عادات و اعمال میں پابند بنالیتا ہے۔ اس پابندی کا احساس
قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مذہب کی جانب سے کچھ دباؤ طبیعت پر بطور ایک فرض
کے عائد ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس میں ہم رنگی و یک جہتی ہو تاکہ افراد جامعہ اس کے ذریعہ
سے ایک رشتہ میں منسلک نظر آئیں۔ اسلام نے اپنے تعلیمات کے ہر شعبہ میں اس احساس
فرض کے قائم کرنے اور ہم رنگی و یک جہتی پیدا کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ نماز کے بیان میں
قبلہ اور وقت وغیرہ کے باب میں اس پر کافی تبصرہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا صورتیں ان
خصوصی مقاصد کے اعتبار سے بالکل ناکام ہیں۔ پہلی صورت کہ کوئی تعداد روزوں کی مقرر
نہ ہو تمام حیثیتوں سے ناقص اور ناقابل قبول ہے۔ اول تو اس میں فرض کا احساس جس کے لئے
طبیعت پر ایک دباؤ پڑنے کی ضرورت ہے پایا نہیں جاتا۔ جب معاملہ ہمارے طاقت و
اختیار سے وابستہ ہو گیا تو ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کم سے کم مقدار اپنے ذمہ واجب الادا
قرار دے گا۔ اس صورت میں ضبط و نظام بھی قائم نہیں ہوتا اور جماعت کی ہم آہنگی بھی قائم
نہیں رہتی۔ کیونکہ کوئی رکھتا ہے سال میں دس دن اور کوئی پانچ دن اور کوئی ایک دن۔
یہ تو کوئی قانونی پابندی نہیں ہوئی بلکہ ایک خوشی کا سودا ہوا اس سے وہ روحانی اور
مادی فائدہ ہرگز پورے نہیں ہو سکتے۔ جو تشریع صوم کے اصلی مقاصد ہیں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ تعداد مقرر ہوتی مگر کیفیت معین نہ ہوتی۔ اس میں تعداد کے مقرر
ہونے سے فرض کی شان تو پیدا ہو گئی مگر کیفیت معین نہ ہونے کی وجہ سے ضبط و نظام نہیں اور
افراد کی ہم آہنگی نہیں۔ اب کوئی ایک ساتھ رکھ رہا ہے کوئی الگ الگ۔ کوئی ایک وقت
میں کوئی دوسرے وقت میں۔

تیسری صورت کہ کیفیت معین ہوتی مگر زمانہ نہ مقرر ہوتا۔ اس میں بھی یہ دونوں جوہر
مفقود ہیں۔ نہ ضبط و نظام ہے۔ نہ افراد کی یک جہتی۔ اب سب ۳۰ ہی دن کے روزے رکھ
رہے ہیں مگر کوئی شعبان میں، کوئی شوال میں کوئی اور زمانہ میں۔
اس میں وہ اجتماعی شان کہاں جو اب ماہ رمضان میں پیدا ہو جایا کرتی ہے۔
مثل مشہور ہے "ان البلیۃ اذا عمت طابت" "مرگ انبوہ جشنے دارد"۔ اس اجتماعی شان
کی وجہ سے روزہ کا فرض باوجود ناخوشگوار ہونے کے خوشگوار ہو جاتا ہے اس لئے کہ سب
ایک رنگ میں ہیں بلکہ ترک صوم ناخوشگوار بن جاتا ہے اور کبھی دوسرے زمانہ میں جو قضا
وغیرہ کا روزہ رکھا جاتا ہے وہ اتنا طبیعت پر گراں گذرتا ہے جس کو رکھنے والوں کا دل
جانتا ہے صرف اس وحشت اور پریشانی کی وجہ سے جو اکیلے ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔
اب اس سوال پر نظر ڈالئے جو بطور اعتراض آپ کے سامنے پیش ہے وہ یہ ہے کہ:۔
"میں تسلیم کرتا ہوں کہ روزہ مادی نقطہ نظر سے بھی مفید چیز ہے اور طبی لحاظ سے بھی لیکن
ایک ماہ کے روزہ کا نکتہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ہفتہ میں صرف ایک روز کا روزہ ہو تو انسان
آسانی سے اپنے روزمرہ کی کارروائیاں جاری رکھ سکتا ہے کیونکہ ایک روز کا روزہ تو
ہمارے خون کی اصلاح۔ معدہ کی اصلاح اور سسٹم کی اصلاح کر سکتا ہے لیکن ایک ماہ کا
مسلسل روزہ جسم کو دماغی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیتا ہے؟
یہ ایک چوتھی صورت ہے جو پیش کی گئی ہے۔ اور یہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہے
جو پہلے ذکر کی گئی ہیں یعنی اس میں فرض کا احساس بھی قائم رہتا ہے ضبط و نظام بھی ہے
اور ہم آہنگی و یک جہتی بھی۔ مگر اس میں ایک بہت بڑی خرابی ہے سو یہ ہے کہ ہر
ایک چیز جو ہر ہی وقت میں بار بار عود کرے اور واپس ہوتی رہے طبیعت اسکی عادی

ہوجاتی ہے اور پھر اس کا مطلوبہ اثر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ہفتہ میں ایک بار روزہ کا حکم
دیا جاتا تو شروع میں کچھ دن تو اس سے خون، معدہ اور سسٹم کی اصلاح ہوتی۔
لیکن کچھ دن کے بعد جب طبیعت اس کی عادی ہو جاتی تو وہ ان مقاصد کے لئے ناکامیاب
ثابت ہونے لگتا اب ضرورت ہوتی ہفتہ میں دو دن فاقہ کرنے کی اور یوں ہی اسمیں اضافہ
ہوتا رہتا یہاں تک کہ انسان اپنے معدہ کی خرابی کی وجہ سے پریشان ہو جاتا لیکن امتداد
وقت اور طول مدت کے ساتھ اگر تکرار ہو تو طبیعت سے چونکہ پہلا اثر وقت کے طولانی
ہو جانے سے رخصت ہو جاتا ہے اس لئے دوبارہ پھر ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسا پہلے ہوتا تھا
گیارہ مہینہ کا کام کیا ہوا معدہ جب ایک مہینہ تک راحت لیتا ہے اور اس سے کام کم
لیا جاتا ہے تو وہ ایک نئی زندگی اور روح سے معمور ہو جاتا ہے اور اس سے جسمانی نظام
پر ایسا اچھا اثر پڑتا ہے کہ گویا از سر نو اس کی تجدید ہو جاتی ہے اس کے علاوہ جو روحانی فوائد
ہیں روزے کے وہ بھی اس میں حاصل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر ہفتہ میں ایک بار اس کی عادی
ہو جانے کے بعد طبیعت اس میں کوئی کلفت اور ناگواری محسوس نہ کرے گی اور وہ اتوار یا جمعہ
کی چھٹی کے مثل ہر ہفتہ میں ایک رسمی چیز بن جائے گی۔

اس کے علاوہ یہ تسلیم کرنے کی صورت میں کہ روزے سے انسان کے کاروبار اور دماغی کاموں
میں کمی ہو جاتی ہے موجودہ حالت میں اس کمی کا معاوضہ گیارہ مہینہ کی مسلسل جدوجہد سے
ہو سکتا ہے لیکن اگر ہر ہفتہ میں ایک دن کا بھوکا پیاسا رہنے کو کہا گیا ہوتا جیسا تجویز کیا جا رہا
ہے تو پھر یہ کوئی کام جم کر نہ کر سکتا۔

روزے پر بحث حفظانِ صحت کے نقطہ نظر سے

کہا جاتا ہے کہ "روزہ سے ہم میں ضعف بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے ہم ہر وقت
مختلف امراض کے جراثیم قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کیونکہ اطباء کی رائے میں انسان کی
بیماری اتنی خطرناک نہیں جتنا اس کا ضعف۔ اس لئے ایک ماہ کے مسلسل روزے طبی نقطہ نظر
سے بھی مضر ہیں"۔

مگر کیا یہ صحیح ہے؟ یاد رکھئے کہ مشاہدہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے
اور موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے اعتراف کیا ہے کہ سب سے زیادہ عمر طبقہ روحانیین یعنی علمائے
مذہب کی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ زیادہ تر ان ریاضتوں کے پابند ہوتے ہیں جو جسمانی حیثیت
سے ناتوانی کا باعث ہوتی ہیں۔

اکثر وہ لوگ جن کی عمر روزوں میں گزرتی ہے اُن سے زیادہ زندہ رہتے ہیں اور زیادہ
ذہنی اور عملی آثار چھوڑ جاتے ہیں کہ جو روزہ کے پابند نہیں ہیں یا جنہوں نے کبھی رکھا ہی نہیں۔

روزے پر بحث اقتصادی نقطہ نظر سے

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "اقتصادی نقطہ نظر سے بھی روزوں سے مسلمانوں کو نقصان
پہنچتا ہے کیونکہ مسلمان رمضان میں جس بری طرح اسراف کرتے ہیں وہ بیان سے باہر ہے" مگر
یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ روزہ اقتصادی حیثیت سے اُن لوگوں کے لئے
جن کی آمدنی اُن کے مصارف روزمرہ کے برابر ہے پس انداز کرنے کا ذریعہ ہے مگر مشکل یہ ہے
کہ مسلمانوں میں اقتصادی شعور پیدا ہی نہیں ہوا ہے یہ تو روپیہ صرف کرنے کے بہانے ڈھونڈتے
ہیں اس لئے کوئی چیز کتنی ہی ان کے لئے اقتصادی طور پر نفع رساں ہو وہ بھی ان کی ذہنیت

کی بدولت اقتصادی حیثیت سے مضر ہو جاتی ہے۔ اُس میں اصل اُس شے کا قصور نہیں بلکہ انکی غلط ذہنیت اور غلط طرز عمل کا قصور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمان مجبور ہیں کیونکہ ایسا نہ کریں تو ان کی صحت قائم نہیں رہ سکتی بدقسمتی سے یہ بھی غلط ہے۔ مسلمانوں کا اصراف اپنی صحت کی بقا کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اکثر ایسی غذاؤں کا استعمال کیا جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتی ہیں۔ بلکہ افطاری میں اکثر متضاد خاصیت کی چیزوں کا استعمال اور غذاؤں میں تداخل کرنا یعنی بھر پیٹ کے بعد بھرنا اور بے اعتدالی سے کام لینا یہ تمام وہ امور ہیں جن سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ شرع نے تو بڑی سادہ چیزیں افطار کے لئے بتائی ہیں جیسے آب گرم یا رطب۔ مگر یہاں افطاری میں جب تک دس پانچ چیزیں نہ ہوں روزہ کھلتا ہی نہیں۔ یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔

آپ کے سامنے ہے رہنمائے دین حضرت امیر المومنینؑ کی افطاری کا سامان جیسے جناب ام کلثوم نے بیان فرمایا ہے اُس آخری روزہ کے متعلق جس کے بعد حضرت کو شاید کسی دوسرے افطار کا موقع نہیں ملا۔ وہ مہینہ وہ تھا جس میں حضرت نے شہادت پائی۔ اس میں حضرت نے اپنا معمول یہ رکھا تھا کہ باری باری ایک دن حضرت امام حسنؑ اور ایک دن حضرت امام حسینؑ اور ایک دن عبداللہ بن جعفرؓ کے یہاں افطار فرماتے تھے۔ آخری دن جس کے بعد آپ کے سر مبارک پہ ضربت لگی آپ حضرت ام کلثوم کے مہمان تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت زینب ہیں جو عبداللہ بن جعفر کو منسوب تھیں۔ بہرحال افطار کے وقت جناب ام کلثوم نے ایک طبق میں گردہ نان، نمک اور ایک پیالہ دودھ کا حاضر کیا۔ بس یہ افطاری تھی بادشاہ دین و دنیا کی حضرت نے اس کو بھی منظور نہ فرمایا۔ اور ام کلثوم کو حکم دیا کہ دودھ کا پیالہ اٹھالیں صرف نمک سے آپ نے چند لقمے روٹی کے نوش فرمائے۔ اس کے پیش کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ

کہ مسلمان بالکل اسی کی پیروی کریں اور حقیقی معنی میں نان و نمک ہی پہ اکتفا کریں۔ مگر اس مثال سے کچھ تو سبق لیں اور جہاں تک ممکن ہو سادگی اور کفایت شعاری سے کام لیں۔

یہ کہنا کہ "نفسیاتی حیثیت سے وہ قابل عفو ہیں کیونکہ دن بھر کے فاقہ کے بعد انسان کی طبیعت لامحالہ کچھ اچھی غذا کھانے کو چاہتی ہے"۔ یہ "لامحالہ" کوئی چیز نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے نفسیات انسانی کی تشکیل عادت اور ذہنیت کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

اگر مسلمانوں کو حفظانِ صحت، اقتصادی حیثیت اور کفایت شعاری کا جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر دل یہی چاہنے لگے کہ اس وقت دو چیزوں کے بجائے ایک ہی چیز کھائیں اور خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ صرف نہ کریں۔

مگر ان کی ہر بات فضول خرچی پر مبنی ہے اس لئے جیسے لباس میں اولوالعزمی پائی جاتی ہے ویسے ہی کھانے کے معاملے میں "چٹوراپن" اس میں دنیا کی کشمکش بہت حد تک کمی پیدا کر چکی ہے اور جتنی یہ بات باقی ہے اس میں لامحالہ اور کمی پیدا ہوگی۔ مجبوریاں خود کم کرا دیں گی، پھر یہ "لامحالہ" رکھا رہ جائے گا اور اس وقت روزہ کا اقتصادی مقصد حاصل ہوگا۔

تمام عبادات میں روزے کی فضیلت و خصوصیت

تمام عبادات میں روزہ کو خاص اہمیت و خصوصیت حاصل ہے حدیث قدسی میں آیا ہے الصوم لی وانا اجزی بہ "روزہ مجھ سے مخصوص ہے اور میں اس کی جزا دوں گا"۔ ظاہر ہے کہ ہر عبادت خدا ہی کے لئے ہوتی ہے مگر جتنی عبادتیں ہیں ان میں ریا و سمعہ کی گنجائش ہو سکتی ہے یعنی کبھی وہ دوسروں کے دکھانے یا سنانے کے لئے انجام پاتی ہیں مگر روزہ

اگر ہو گا تو وہ خدا ہی کے لئے ہو گا۔ اس لئے کہ اس میں نہ دکھانے کا محل ہے نہ سنانے کا۔

اُس میں حرکات و افعال نہیں کہ جو دیکھنے میں آئیں۔ اذکار نہیں کہ سننے میں آئیں وہ تو مخصوص اشیاء کے ترک کا نام ہے اور ترک دیکھنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی کا نتیجہ ہے جو ارشاد ہوتا ہے وانا اجزی بہ میں اس کا بدلہ دوں گا۔ ہر عبادت کا بدلہ وہی دیتا ہے مگر دوسری عبادتوں کی ظاہری صورت کا معاوضہ دوسروں سے بھی مل سکتا ہے مثال کے طور پر یہ ہے کہ کوئی رئیس کسی شخص کو مامور کرے کہ تم آکر میرے بچوں کے سامنے نماز پڑھا کرو۔ تاکہ انہیں نماز پڑھنا آجائے۔ اس صورت میں میں تم کو اتنا اتنا معاوضہ دوں گا۔ مگر روزہ ایسی چیز نہیں ہے جس کا معاوضہ کوئی اور دے سکے۔ وہ اگر ہو گا تو خدا ہی کے لئے ہو گا اور وہی اس کی جزا دے گا۔

رہ گئے وہ روزے جو بطور نیابت رکھے جاتے ہیں اور اُن میں اجرت لی جاتی ہے وہاں اُجرت کا تعلق نیابت سے ہے۔ اور روزہ کی قبولیت بحیثیت عبادت اس شخص کے لئے ہے جس کے وہ روزے ہیں اس لئے روزہ کا ثواب اُس کو ملے گا اور اس ثواب کا دینے والا خدا ہی ہے۔

مفطرات صوم

روزہ کی یہ خصوصیت ہے کہ جتنے احکام شرعیہ ہیں اُن کی تعمیل میں کسی ایک جذبہ نفس سے مقابلہ ہے مگر روزے میں بہت سے نفسانی جذبات کا مقابلہ ایک ہی ساتھ کرنا پڑتا ہے جسب ذیل اشیاء۔ وہ ہیں جن کا ترک کرنا روزے میں ضروری ہے اور آپ غور کیجئے کہ ان میں سے اکثر اشیاء، انسان کی عام معاشرت میں کس قدر دخیل ہیں

اور ان خواہش انسان کو بہ تقاضائے فطرت کس درجہ شدید ہے۔

(۱) کھانا پینا، بقصد و ارادہ، انسان کو یوں چاہے بھوک نہ لگے مگر کسی کے روک دینے پر تو ضرور اشتہا پیدا ہوتی ہے۔ اور پیاس، اسے نہ پوچھئے خصوصیت کے ساتھ گرمی کے دنوں میں۔ لوہ اور دھوپ میں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ الصوم فی الحر جہاد گرمی میں روزہ رکھنا ایک بڑا جہاد ہے۔ بیشک جاڑوں میں غنیمت بالبرد ہے لوٹے بھرے کا مال غنیمت ہے۔

(۲) بقصد و ارادہ اپنے کو مبتلائے جنابت کرنا، خواہ کسی صورت سے ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے بچنے کے لئے بہت سے اوقات نفس پر بڑا جبر کرنا پڑے گا۔ بلکہ بعض اوقات بعض اشخاص کو نگاہ اٹھا کر غور کے ساتھ دیکھنے تک سے خواہ اپنی شریک زندگی تک ہی کیوں نہ احتراز کرنا پڑے گا۔

(۳) رات کو اگر ارادی یا غیر ارادی طور پر ایسا اتفاق ہو تو پھر صبح کے پہلے ہی غسل کرنا لازم ہے اور اسی حالت پر باقی رہنا بطلان صوم کا باعث ہے۔ اب کچھ نہ پوچھئے اس نفسانی جبر کو جو ایسے وقت میں جب کہ نشاط اپنے شباب پر ہے۔ اور دلی مسرت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے اور مؤذن کی بانگ سحر کا دھڑکا فرض شناس شخص کو اس بساط مسرت کے اُلٹنے پر مجبور کرتا اور لے جاتا ہے غسل کرنے یا بصورت عدم قدرت تیمم کرنے کا فریضہ ادا کرنے کی جانب، اگر سونے میں ایسا عالم ہو تو آنکھ کھلی اور اٹھنا ضروری۔ یہ نیند بے چین کرنا بھی نیند کی متوالی طبیعتوں کے لئے بڑا ہی جہاد ہے۔

(۴) غبار غلیظ کو حلق کے نیچے اترنے دینا۔

(۵) عمداً استفراغ کرنا، بعض اوقات اس کا روکنا بھی ناگواری طبع کا بڑا باعث ہو سکتا ہے

(۶) کسی سیال چیز کے ساتھ احتقان یعنی امل لینا اگر طبی حیثیت سے ضروری نہیں ہوگیا ہے اور صرف اس کے چھوڑنے میں کچھ جسمانی تکلیف یا درد وغیرہ کی ایذا ہی سہنا ہے تو اس کو سہے اور اس تدارک کو نہ کرے۔

(۷) سر کو پانی کے اندر لے جاکر ڈبونا۔ اس کی قدر پوچھئے گرمی کے زمانے میں روزے کے عالم میں صاف شفاف حوض میں اترنے والوں سے جن کا دل پانی کو دیکھ کر لہریں لینے لگا ہو اور بیساختہ دل چاہتا ہو کہ ایک غوطہ مگر حکم کی پابندی سدِ راہ

(۸) خدا و رسولؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر جھوٹ باندھنا یعنی کسی قول یا فعل کو ان حضرات میں سے کسی بزرگ کی جانب غلط طور پر منسوب کرنا۔

اسکی زد زیادہ تر مقررین اور ذاکرین پر پڑتی ہے۔ روزہ کی مجلس، ایک تو یوں ہی نہیں چلتی، ادھر زبان بیان خشک اور ہونٹ پپڑائے ہوئے۔ طاقت ساتھ نہیں دیتی۔ ادھر سامعین نیند کے جھونکوں میں، مجسمۂ خاموشی بنے سُن رہے ہیں اور اثر نہیں لیتے، ذہن میں ایک ٹکڑا موجود ہے، روایت میں لگائیں تو مجلس میں گرمی پیدا ہو جانے کی امید ہے مگر معلوم ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اگر کہیں یہ غلط روایت بیان کی اور ائمہ کی طرف کسی امر کی نسبت ہوئی جو صحیح نہیں تو مجلس معلوم نہیں پھر بھی چلے یا نہ چلے لیکن روزہ ضرور چلا جائے گا اب چاہے منبر پر سے کورا اترنا ہو لیکن بیان اتنا ہی کیجیے جتنا آپ کے نزدیک صحیح ہے۔

ماہِ صیام کا چاند

فصلوں کا تغیر و تبدل آفتاب کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اُس سے طبی خصوصیات

میں بھی اختلافات پیدا ہوتا ہے۔ نجومی لوگ ستاروں کو کائنات میں اثر انداز سمجھتے ہیں اور حوادث کا تعلق اس سے قرار دیتے ہیں اسلام نے نہ آفتاب کا لحاظ کیا ہے نہ ستاروں کا کیونکہ دونوں باتیں غیر حسی ہیں۔ جو حساب جانتے ہیں وہ سمجھیں اس نے چاند کا اعتبار کیا ہے جو محسوس امر ہے۔ اگر ایک مہینہ میں دھوکا بھی ہو جائے تو دوسرے مہینے اس کی صحت ہو جائے گی۔ عالم سے عالم اور جاہل سے جاہل دونوں چاند کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر مہینے کی ابتدا اور انتہا کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ ماہ رمضان کو روزوں کا زمانہ قرار دیا ہے اس کا بھی تعلق چاند سے ہے جب چاند ہو گیا روزہ واجب، جب چاند ہو گیا روزوں کی بہار ختم۔ اصل ذریعہ اس کے علم کا مشاہدہ ہی ہے لیکن اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کچھ کاموں میں مصروف رہے۔ چاند کی تحقیق کو اپنی آنکھ سے دیکھنے نہ جا سکا۔ یا مطلع ابر سے گھرا ہوا اور غبار آلودہ ہے اس لئے چاند ہوا اور نہ دکھلائی دیا۔ تو اس کے لئے کچھ اور ذرائع بھی قرار دے گئے۔ چنانچہ دوسرا ذریعہ ہے، دو عادل شخصوں کی گواہی۔ عادل یعنی جن کی فرض شناسی اور پرہیزگاری پر اطمینان ہو شرط یہ ہے کہ ان کے قول کے خلاف وثوق نہ حاصل ہو۔ یہ ضمیر سے متعلق بات ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مطلع بالکل صاف۔ بڑے بڑے تیز نظر جوان آدمی چاند کو دیکھنے میں کوشاں۔ خود آپ کی بھی نگاہ اچھی خاصی تیز ہے اور آپ نے خود بھی پوری کوشش سے دیر تک ڈھونڈا اور چاند دکھلائی نہ دیا۔ اور نہ شہر بھر میں کسی نے دیکھا۔ بس دو ضعیف العمر دھندلی نگاہ والے انسان گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھا۔

ہیں تو متقی اور پرہیزگار یقین ہے کہ جھوٹ نہ بولیں گے مگر دل کہتا ہے کہ انہیں دھوکا ہوا ہے چاند ہرگز نہیں ہوا ہے ورنہ آخر کوئی اور بھی دیکھتا۔ اس صورت میں

میں اپنے ضمیر اور اطمینان کے خلاف ان عادلوں کی گواہی ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

(تیسرے) مجتہد کا حکم کہ چاند ہو گیا۔ شرط یہ ہے کہ آپ کو اطمینان ہو کہ مجتہد کے پاس ایسا ثبوت چاند کا پہنچ گیا ہے جو خود ہمیں بھی اگر پہنچتا تو ہمیں عمل اس پر لازم ہوتا۔

(چوتھے) یہ کہ چاند ہو جانا اس طرح زبان زد خلائق ہو جس سے انسان کو یقین پیدا ہو جائے یا ایسا وثوق و اطمینان جس کے خلاف احتمال عقلی طور پر ناقابل لحاظ ہو۔

(پانچویں) یہ کہ شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں۔

اور ایسے ہی ذرائع سے شوال کا چاند بھی ثابت ہوگا جس کا نتیجہ ہے کہ روزہ رکھنا انسان کے لئے حرام ہو جائے۔

متقدمین علماء محدثین میں ایک بڑی بحث چلی تھی اس بات کی کہ ماہ صیام تیس دن سے کم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس پر بڑے بڑے رسالے لکھے گئے۔ بات یہ ہے کہ بعض احادیث اس قسم کے وارد ہو گئے ہیں کہ ماہ رمضان ۳۰ دن سے کم نہیں ہوتا۔ محققین اہل نظر کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ثواب ماہ رمضان کا بہرحال کامل ملے گا۔ چاہے چاند ۲۹ ہی کا کیوں نہ ہو جائے۔ یہی عدل الٰہی کا تقاضا بھی ہے کیونکہ چاند کا ۲۹ کا ہو جانا انسان کے بس سے باہر ہے اور اطاعت شعار بندہ کی نیت یہ ہے کہ وہ تیس کا بھی مہینہ ہو تو سب روزہ رکھے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ۲۹ کا چاند ہونے سے اس کے ثواب میں کمی کر دی جائے۔

نیّت

حصۂ دوم و سوم میں وضو اور نماز کے باب میں واجبات تعبدیہ کی حقیقت اور نیّت

کی ماہیت پر کافی تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ روزہ بھی ان واجبات میں سے ہے جن کی صحت قصد قربت پر موقوف ہے اور بغیر نیت وہ درست نہیں ہو سکتا۔ مگر بحث پڑ گئی ہے اس بات میں کہ ماہ رمضان کے تمام مہینے کے روزوں کے لئے ایک نیت کافی ہے یا ہر روز کی نیت الگ الگ ہونا چاہیے۔ اس بحث کے تصفیہ کے لئے ہم کچھ تمہیدی امور کے بیان کرنے کی ضرورت ہے جن پر اس کا دار و مدار ہے۔

(۱) یہ کہ نیت عقلی امر ہے۔ جو بھی عمل ایسا ہوگا کہ اس کا مقصد کسی خارجی نفع اور فائدہ کے طور پر متعین نہ کیا گیا ہو۔ اسے بربنائے حکم حاکم ہی بجا لانا چاہیے اسی طرح اگر معلوم ہو جائے کہ اس حکم کا مقصد فرض شناسی کا پیدا کرنا ہے تو بھی عقلی طور پر اس عمل کو قصد اور ارادہ اور احساس فرض کے ساتھ انجام پانا چاہیے اسی کا نام نیت ہے۔ اس لئے نیت کے باب میں عقل کا فیصلہ قابل قبول ہے اور ضرورت منقولی دلائل کی نہیں ہے۔

(۲) نیت ارادہ کی ایک خصوصی صورت ہے اور وہ وہ چیز ہے جو محرک عمل ہوتی ہے اس لئے ارادہ کے لوازم اور خصوصیات ذاتی نیت سے جدا نہیں ہو سکتے۔

(۳) ارادہ وہ کیفیت نفسانیہ ہے جو تحریک عمل پیدا کرتی ہے۔ اس کے لئے مبادی و مقدمات ہیں تصور عمل، میلان نفس یعنی شوق و رغبت۔ شرائط و موانع پر نظر کر کے جزم۔ پھر ایک خاص ہیجان نفسی جس کا آخری درجہ حرکت عضلات یعنی ان اجزائے بدن کے متحرک ہونے سے کہ جن کے ساتھ عمل کا تعلق ہے ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) محرک عمل وہی ہیجان نفسی ہو سکتا ہے کہ جو عمل سے متصل ہو لیکن اگر عمل سے جدا ہے تو وہ محرک عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ شے کہ جو عمل کے وقت آنے سے

پہلے انسان میں پائی جاتی ہے اسے ارادہ کہنا عرفی محاورہ ہے جس کو حقیقت سے
تعلق نہیں ہے۔ وہ ابتدائی درجے ارادہ کے ہو سکتے ہیں جیسے شوق، عزم، یا جزم
مگر ارادہ تو نفس کے ہیجان کا آخری درجہ ہے جس کے بعد فعل کا وجود ضروری ہو
جاتا ہے۔ اور اگر ہیجان اس درجے تک نہ پہنچے تو فعل کا صدور غیر ممکن ہے۔ مثال
کے طور پر یہ دیکھئے کہ آپ کو اس وقت ارادہ ہوا اور قطعی ارادہ ہو کہ ۶ بجے شام کو
میں امین آباد جاؤں گا لیکن اگر اس وقت آپ سو رہے ہیں یا بیدار ہیں مگر اس خیال
کو اپنے بھولے ہوئے ہیں تو ہرگز آپ کا وہ صبح والا ارادہ اس وقت محرک عمل
نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ دو بجے گھر سے نکل جائیں اور آنکھیں بند کئے ہوئے
اتفاق سے امین آباد پہنچ جائیں تو یہ ایک غیر اختیاری امر سمجھا جائے گا وہ صبح
والا ارادہ اس عمل کے اختیاری قرار پانے کا موجب نہ ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہو
گیا کہ ارادہ جو عمل کے اختیاری طور پر صادر ہونے کا معیار ہے وہ وہی چیز ہے
کہ جو عمل سے متصل ہوتی ہے اور عمل سے قبل اس کا پایا جانا جب کہ درمیان میں
فاصلہ ہو گیا ہو اس عمل کا سبب اور اس کے اختیاری ہونے کا موجب نہیں بن سکتا۔
اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ یہ ۳۰ دن کے روزے جو رکھے جاتے ہیں وہ سب
ایک ہی عمل ہے یا متعدد اعمال ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ عمل کی وحدت ابتدا
و انتہا کے حدود کے اندر اتصال کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ اور جب انقطاع
ہو گیا اور دوبارہ ابتدا ہوئی تو یہ عمل چاہے جنس اور نوعیت میں پہلے عمل کے
ساتھ متحد ہو مگر شخصی حیثیت سے اس سے جدا ہے پھر جب کہ ہر روزہ کی انتہا
افطار پر ہو جاتی ہے تو ان تمام روزوں کو ایک عمل کیسے سمجھا جا سکتا ہے

یقیناً ان میں سے ہر روزہ ایک علیحدہ تشخص رکھتا ہے اور جداگانہ وجود ہے۔
اب دیکھئے کہ پہلے روزہ کی جو نیت کی گئی تھی چاہے وہ تمام روزوں کے متعلق
ہو لیکن پہلے روزہ سے تو وہ متصل ہے اور اس لئے اس روزہ کے لئے فوراً تحریک
عمل پیدا کر سکتی ہے مگر بعد والے روزوں کے لحاظ سے وہ علیحدہ ہونے کی بنا پر
تحریک کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور ان روزوں کے لحاظ سے وہ ارادہ کی اس
منزل پر ہے جو صدور فعل کا باعث ہوتی ہے۔ اسے اگر سمجھا جا سکتا ہے تو ان
روزوں کی نسبت عزم یا جزم بس اس سے زیادہ نہیں۔ اب اگر یہ عزم قائم رہا اور
تصور و شوق کے تمام مبادی دوسرے روزہ کے موقع پر ثابت ہوئے تو یہی عزم
ارادہ کی شکل اختیار کر لے گا اور وہ ارادہ دوسرے روزہ کی نیت قرار پائے گا
لیکن اگر دوسرے روزہ کے موقع پر اس کے ذہن میں وہ پہلا خیال موجود نہ تھا
اور یہ غفلت اور فراموشی کے عالم میں ہوا تو وہ عزم اپنے وقت میں ختم ہو چکا۔
اب اس وقت اس میں صلاحیت نہیں کہ وہ محرک عمل بن سکے پھر کیسے کہا جاتا ہے
کہ وہ اس دوسرے روزہ کے لئے بھی نیت کا درجہ رکھتا ہے۔ ثمرۂ اختلاف
دونوں صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس وقت کہ جب ایک رات شام سے جو سویا تو
تیسرے دن بیدار ہوا۔ درمیان کا دن سونے میں بسر ہوا ہے اور اس لئے نیت
آج کے روزہ کی نہیں ہوئی۔ لیکن اگر وہ پہلی نیت جو ۳۰ دن کے روزوں کی کہ
کافی محرک سمجھی جائے تو یہ درمیانی دن روزہ میں محسوب ہوگا۔ دوسری صورت
اگر کسی دن اسے روزہ کا خیال ہی نہ آیا۔ بے شک اتفاقاً یوں ہی فاقہ سے بھی
رہا اور کچھ کھایا پیا نہیں تو اگر پہلی نیت کو کافی سمجھا جائے گا تو اس دن روزہ

صحیح مانا جائے گا۔ بلکہ پہلی نیت کے کافی سمجھنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر دن بھر کھاتا
پیتا بھی رہے تب بھی روزہ میں حساب ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ مفطر صوم جو ہے
وہ عمداً کھانا اور پینا ہے۔ جس طرح اگر آج ہی روزہ کی نیت کر چکا ہوتا تو پھر اگر
بھولے سے یہ کچھ کھا پی لیتا تو روزہ باطل نہ ہوتا ایسے ہی اگر پہلی نیت کافی ہو تو اس
شخص کے دن بھر کھانے پینے سے روزہ باطل نہ ہو۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے معلوم
ہوا کہ پہلی نیت روزہ کی صحت میں کافی نہیں ہے۔ اسی سے ایک اور نتیجہ نکلتا ہے
وہ یہ ہے کہ اگر آپ شب کے کسی حصہ میں اس قصد سے کہ اب ہم ترک کرتے ہیں سو
رہیں اور پھر آنکھ نہ کھلے اور دوبارہ نیت کرنے کا موقع نہ ملے یہاں تک کہ صبح ہو
جائے یا وہ پھر دن بھی گزر جائے تو روزہ صحیح ہوگا کیونکہ یہ پورا زمانہ جو اس ترک کے
وقت سے افطار تک ہے اتصال کی وجہ سے ایک واحد عمل یعنی امساک (مفطرات
سے باز رہنا) ہے اور وہ قصد و نیت کے ساتھ انجام پا رہا ہے جو اسی سے متصل
ہے لیکن اگر اس قصد سے سوئے کہ ابھی ہم اٹھیں گے اور کھائیں پئیں گے پھر روزہ
رکھیں گے اور اس کے بعد پھر آنکھ نہ کھلے یا کھلے اور روزہ کا خیال نہ رہے اور قصد
نہ پیدا ہو یہاں تک کہ دن پھر گزر جائے تو یہ روزہ حساب میں نہیں رہے گا کیونکہ وہ
قصد جس کے ساتھ یہ سویا تھا۔ امساک کا اسی وقت سے نہ تھا۔ بلکہ کسی بعد کے
وقت میں اٹھنے پر کھانے پینے کے بعد امساک کا قصد ہے اور وہ وقت نہ موقع
اس قصد سے علیحدہ تھا اور فاصلہ رکھتا تھا۔ اس لئے یہ قصد اس امساک کے لئے محرک
نہیں بن سکتا تھا اور وہ موقع جب آیا تو اس وقت اسے قصد پیدا نہیں ہوا لہذا
نیت کہ جو صحت عمل کے لئے ضروری ہے یہاں متحقق نہیں ہوئی۔

روزے کی صحت میں ایک خاص رعایت

اصولاً اگر کوئی عمل بہت سے اجزا سے مرکب ہو یا ایک خاص مدت تک قائم رہنے
والا ہو تو ان تمام اجزا کے حصول اور اس تمام مدت میں عمل کو قصد و ارادہ کے ساتھ
ہونا چاہئے تب ہی وہ عمل صحیح ہوگا لیکن اگر ایک جزو بھی کم ہوگیا یا وقت کا کوئی حصہ
بھی خارج ہوگیا تو عمل کو باطل ہو جانا چاہئے اگر کوئی خاص تصریح قانون میں اس کے خلاف
نہ آئے تو قاعدہ کا اقتضا یہی ہے مگر جس جماعت کی نماز میں یہ مراعات کی گئی ہے کہ اگر
رکوع میں بھی شریک ہو جائے تو رکعت حساب میں آجاتی ہے اور نماز صحیح ہو جاتی ہے
اسی طرح روزہ کے باب میں شرع نے یہ ایک خاص رعایت کی ہے کہ روزہ واجبی میں اگر
انسان نے کچھ کھایا پیا نہ ہو تو زوال کے قبل تک نیت ہو سکتی ہے اور مستحبی روزہ میں
اس سے بھی زیادہ رعایت کی گئی ہے یہ کہ بعد زوال بھی غروب کے وقت کے قبل جس
وقت سے قصد روزہ کا پیدا ہو جائے بشرطیکہ کچھ مفطرات صوم کا اس دن استعمال
نہ ہوا ہو تو وہ روزہ حساب میں آجائے گا یہ صرف خدائے کریم کا ایک فضل و احسان
اور انسان کے رجحان عبادت کی ایک قدر افزائی ہے بدقسمت ہے انسان اگر اب
بھی نعمت ثواب کے حصول کی طرف قدم نہ بڑھائے۔

ایک اور رعایت

عبادت کو شروع کرنے کے بعد ناتمام نہیں چھوڑنا چاہئے ارشاد ہوا ہے لا تبطلوا
اعمالکم اگرچہ دوسرے معنی بھی ہیں لیکن علماء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عمل کو آغاز کے

پورا انجام تک پہنچانا ضروری ہے۔ نماز کا وقت اگرچہ وسیع ہو یعنی اگر نماز کو توڑ ڈالے
تو پھر بھی وقت کے اندر نماز پڑھ لے گا مگر بلا ضرورت کے اس کا توڑنا جائز نہیں
ہے لیکن روزہ کے باب میں یہ خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ واجبی روزہ ہو ایسا
جسے بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسے قضائے ماہ رمضان جب کہ ابھی سال کے دن
ان روزوں کی تعداد سے زیادہ باقی ہوں یا نذر غیر معین کا روزہ تو اسے ظہر کے قبل
تک انسان توڑ سکتا ہے۔ اور اگر مستحبی روزہ ہو تو اسے شام تک جس وقت
چاہے ترک کرے گا۔ یہ بھی نفسیات انسانی کے لحاظ سے وقت اور مواقع کی پیش
بندی کے لحاظ سے دواعی و اسباب و حالات کی خاطر داری ہے اور یہ اسلام کی
اُس عام معیاری خصوصیت کے مطابق ہے جو ہر شعبۂ زندگی میں فرض شناسی کے احساس
کے باقی رکھنے کے ساتھ امکانی سہولت بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

رعایت بالائے رعایت

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شعبان کا ۲۹ تاریخ کا چاند مشکوک رہا۔ ۳۰ تاریخ تک شبہ
ہے کہ شاید چاند ہو گیا ہو تو آج پہلی رمضان کی ہے لیکن چاند کا ثبوت نہیں ہے
اس کو یوم الشک کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ ثبوت ماہِ رمضان نہیں ہے اور حالت سابقہ
کے برقرار ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آج کا دن ماہ شعبان ہی میں حکم شرعی کے لحاظ
سے داخل سمجھا جائے اسلئے یہ حق نہیں ہے کہ آج کا روزہ ماہ رمضان کی نیت سے
رکھا جائے لیکن اگر روزہ ترک کرے تو ایک ماہ رمضان کے اس صوم کی خصوصی برکت
سے محروم ہو گیا دوسرے یہ کہ بعد میں قضا کرنا پڑے گی جو طبیعت پر گراں گزرجاتی ہے

اور بلا وجہ ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے۔ اس لئے یہ صورت قرار دی گئی ہے کہ بہتر ہے
کہ آج کا روزہ استحباب کی نیت سے رکھے پھر اگر معلوم ہوا کہ یہ دن ماہِ رمضان
کا تھا تو وہ روزہ اسی حساب میں آجائے گا اور پھر قضا کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ بھی
خدا کا ایک فضل و احسان ہے ورنہ اصولاً جب وہ ماہ شعبان کی نیت سے رکھا گیا
تو اس کے ماہ صیام میں آنے کی صورت؟ مگر وہ تو نیت کے اندر کی ضمیر کی گہرائی کو بھی
دیکھتا ہے اسے معلوم ہے کہ اس نے استحباب کی نیت صرف اس لئے کی ہے کہ اس
کے محدود ذرائع علم میں چاند ثابت نہیں ہوا لیکن اصل میں اس کا روزہ رکھنا آج صرف
اس برکت کے حاصل کرنے اور اس فرض کے نظر انداز نہ ہونے کے لئے ہے جو ماہ رمضان
کے روزہ کی شکل میں اس پر عائد ہے۔ اس لئے وہ اس نیت کے باطنی جذبہ پر جزا
دینے کے لئے تیار ہے اور اس روزہ کو ماہ صیام میں حساب کر لیتا ہے۔

ترک صوم کا کفارہ

ایک دن بھی روزہ اگر عمداً ترک کرے تو کفارہ واجب ہے ساٹھ مسکینوں کا
کھانا کھلانا یا مہینے کے مسلسل روزے رکھنا یا بندہ راہ خدا میں آزاد کرنا۔
آج جب کہ بردہ فروشی قانوناً ممنوع ہے تو پہلی دو صورتوں میں انحصار ہے
مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کفارہ ایک جرمانہ ہے جس کا ادا کرنا انسان کے لئے لازم ہے
لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ترک صوم اس کفارہ کے ادا کرنے کے ساتھ جرم نہیں باقی
رہا وہ گناہ جو اپنے وقت پر ترک صوم کا ہو گیا۔ بہرحال گناہ ہے اور اس کے لئے توبہ
کی ضرورت ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی صاحب دولت شخص اپنا وتیرہ ہی

یہ قرار دے لے کہ روزہ ترک کر دیا کرے اور پھر ہر روزہ کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا کرے۔ یہ طرز عمل اُس کا ہرگز درست نہیں ہوگا اور وہ اخروی پاداش سے ترک صوم کی بچ نہیں سکتا جس طرح اگر فعل حرام کے ساتھ انسان روزہ کو ترک کرے۔ مثلاً ماہ صیام کے روزہ کے بجائے معاذ اللہ شراب خوری کرے یا ناجائز طور پر عورت سے تعلقات خاص قائم کرے تو ایسے شخص کے لئے تینوں کفارے ایک ساتھ دینا لازم ہیں مگر اس سے نہ اُس فعل حرام کی حرمت برطرف ہوگی نہ روزہ کے ترک کی اہمیت، بیشک اگر یہ کفارہ بھی نہ دے تو ایک تیسرا جرم ہوگا اس جرم سے بچنے کے لئے عقلی طور پر کفارہ دیدینا لازم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ واجبات جو خاص اوقات کے ساتھ مشروط ہیں اور جن کی قضا کا بعد میں حکم ہے ان میں ایک مطلوب تو اصل فعل کا انجام دینا ہے دوسرا مطلوب اُن کا وقت خاص میں واقع ہونا ہے اگر ایسا نہ ہوتا اور اصل مقصد صرف کام کا انجام پانا ہوتا تو واجب میں خصوصیت وقت کے ساتھ حکم ہی نہ ہوتا بلکہ غیر موقت طور پر اس کا حکم ہوتا اور اگر مطلوب ہوتا صرف وقت خاص ہی دتوع پذیر ہونا تو پھر وقت گزرنے کے بعد قضا کا حکم نہ ہوتا لیکن چونکہ دو مطلوب الگ الگ ہیں اس لئے اگر اصل وقت پر نہ بجالائے تو گناہ گار ہوگا اس لئے کہ وقت کی خصوصیت ہاتھ سے دیدی لیکن پھر بھی حکم ہے کہ اس کو دوسرے وقت بجالائے تاکہ وہ دوسرا مطلوب یعنی اصل فعل کی بجاآوری تو حاصل ہو جائے اگر اُس نے بعد میں اُس فعل کو انجام نہ دیا تو یہ ایک دوسرا گناہ ہوگا۔ یونہی جس مقام پہ کفارہ کا حکم ہے یہ ایک تیسرا مقصد ہے اور وہ یہ کہ اس جرم کا ایک تاوان وہ اس دنیا میں بھی دیدے لیکن نہ اس سے وہ وقت کی خصوصیت

کا منشا حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ گناہ برطرف ہو۔ نہ اصل فعل کی بجا آوری ہوتی ہے تاکہ قضا کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس کفارہ کے ادا کرنے کے باوجود اصل فعل کی بجاآوری کیلئے قضا بھی ضروری ہے اور وقت پر نہ بجالانے کے گناہ کیلئے سچے دل سے توبہ کی بھی ضرورت ہے اس کے ساتھ پھر یہ کفارہ بھی ادا کرے تو انشاء اللہ پھر آخرت میں کوئی بازپرس نہ ہوگی اس امر کے متعلق کہ اس قضا و کفارہ سے اصل وقت کی خصوصیت جو فوت شدہ ہے نصیب نہیں ہوتی اور اس لئے انسان کو اس پر نادم ہونے کی ضرورت ہے حدیث معصوم بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو سماعہ بن مہران کی روایت اُن کا بیان ہے کہ میں نے معصوم سے دریافت کیا اُس شخص کے متعلق جو ماہ رمضان میں جان بوجھ کر اپنی عورت سے مقاربت کرے حضرت نے فرمایا اس کا کفارہ ہے بندہ آزاد کرنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اور دو مہینے کے پے درپے روزے رکھنا۔ اس کے علاوہ اُس دن کی قضا بھی لازم ہے وانیٰ لہ مثل ذلک الیوم اور بھلا وہ دن اُسکو کہاں نصیب؟ اس سے ظاہر ہے کہ اس دن روزہ رکھنے سے جو مقصد تھا وہ اب حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ قضا و کفارہ اس کا پورا پورا بدل ہوگیا۔

ہمارے والد ماجد[1] اعلی اللہ مقامہ کے مقلد ایک رئیس صاحب نے یہ دریافت کرنے کے بعد کہ ایک روزہ کا کیا کفارہ ہوتا ہے اپنا دستور مقرر کر لیا کہ وہ روزے ماہ رمضان کے ترک کریں اور پھر ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلا دیا کریں۔ اس پر جناب مغفور نے ایک تفصیلی جواب سوال کا تحریر فرمایا جو اس موقع پہ مدرج کیا جاتا ہے۔

سوال

اگر کوئی شخص روزہ ماہ رمضان بلا عذر شرعی عمداً نہ رکھے یہ خیال کر کے کہ ایک روزہ

[1] ممتاز العلما مولانا السید ابوالحسن اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ امامیہ مشن پاکستان

کی قضا و کفارہ دے دوں گا یہ فعل اس شخص کا جائز ہے یا ناجائز اور شخص مذکور ہمیشہ ایسا ہی کیا کرے کہ روزہ ماہ رمضان کا بلا عذر شرعی عمداً نہ رکھے اور قضا و کفارہ کو ادا کر دیا کرے۔ تو گناہگار ہوگا یا نہیں اور قضا و کفارہ صیام ماہ رمضان سے کافی ہو جائے گا یا نہیں جواب تفصیلی مرحمت ہو۔

جواب

مخفی نہ رہے کہ شریعت میں واجب کئی طرح کا ہے۔ منجملہ اقسام واجب کے جو محل بحث ہمارے مسئلہ کا ہے واجب عینی و واجب تخییری ہے۔ فرق واجب عینی و تخییری میں یہ ہے کہ واجب عینی وہ واجب ہے جس کا بدل اور جس کی مصلحت کو پورا کرنے والا دوسرا فعل نہیں ہوتا۔ بخلاف واجب تخییری کے۔ واجب تخییری میں اس مصلحت کے پورا کرنے والے جو اس واجب میں نظر شریعت میں ہے دو فعل یا زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز جمعہ و صلوٰۃ ظہر، اگر وجوب تخییری کے قائل ہوں تو دونوں نماز جمعہ اور نماز ظہر اس مصلحت کے لئے جو نظر شارع میں ہے کافی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ واجب تخییری میں مکلف کو شرع کی جانب سے اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ اس فعل کو بجا لائے خواہ دوسرے فعل کو مگر واجب عینی میں اختیار دو فعلوں میں یا زائد میں نہیں ہوتا بلکہ اسی فعل کا خود بجا لانا ضروری ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر نظر شریعت میں اس کے فعل کے بجالانے سے معذور ہو خوف ضرر وغیرہ کی وجہ سے تو دوسرا فعل اضطراری حالت میں اس کا بدل قرار دیا جائے جیسے تیمم وضو کا بدل اضطراری ہے۔

نماز روزہ واجبات عینیہ میں سے ہیں لہذا کوئی دوسرا فعل اس کی مصلحت پورا

کرنے والا نہیں سمجھا جا سکتا اور اس لئے اگر کوئی شخص روزہ یا نماز ترک کرے۔ تو چاہے بعد کو قضا بھی کر لے یا روزہ عمداً بدون عذر شرعی ترک کر کے کفارہ بھی دیدے تب بھی گناہگار ہوگا اور قضا و کفارہ یا تنہا قضا فوت شدہ روزہ یا نماز کے مفاد کو پورا نہیں کر سکتا اور اس سے اصل فعل کے اس وقت پر ترک کرنے کا گناہ برطرف نہیں ہو سکتا جب تک کہ توبہ نہ کرے۔ اسی طرح اگر توبہ کے بعد تلافی مافات نہ کرے اور قضا و کفارہ یا قضا روزہ اور نماز کے ترک کے بعد نہ کرے تو محض توبہ کافی نہیں ہے۔ اگر قضا و کفارہ روزہ میں یا تنہا قضا، نماز میں اس عبادت کے مفاد کو پورا کر دے تو نماز و روزہ واجب عینی نہ رہے گا بلکہ واجب تخییری ہو جائے گا اور یہ بالاجماع باطل ہے۔

یہ خیال کہ ترک صوم و صلوٰۃ کے بعد جو حکم تھا اس پر عمل کر لیا یعنی ترک صوم میں قضا و کفارہ اور ترک صلوٰۃ میں قضا پر عمل کر لیا تو اب سزا کیوں ہو اور اگر سزا بہرحال ملتی ہے تو پھر قضا و کفارہ سے کیا فائدہ ہے؟! درست نہیں ہے اس لئے کہ ہمارا فرقہ عدلیہ امامیہ اثنا عشریہ اس کا قائل ہے کہ احکام شرعیہ مصالح و مفاسد واقعیہ کے تابع ہیں۔ بے شک کبھی مصلحت ذات فعل ہی میں ہوتی ہے اور وقت و مکان کو مدخلیت نہیں ہوتی اور بعض افعال ایسے ہیں جن میں وقت یا مکان کی خصوصیت ملحوظ ہے۔

نماز ہائے یومیہ اور صیام ماہ مبارک رمضان ایسے ہی واجب ہیں جن میں وقت کو مدخلیت ہے روزہ ماہ مبارک رمضان اور مثلاً نماز ظہر کے ترک کے بعد وہ خصوصیت وقتیہ ہاتھ نہیں آ سکتی لہذا اس خصوصیت وقت کے ہاتھ سے دے دینے پر اگر بعد قضا و کفارہ یا محض قضا کے بعد گناہ باقی رہے تو کوئی عجب بات نہیں ہے۔ اب رہ گیا یہ امر کہ جب گناہ باقی رہتا ہے تو حکم قضا و کفارہ کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قضا و کفارہ کے بعد

اگرچہ صوم و صلوٰۃ کی وقت کی قید کے ساتھ مصلحت نہیں حاصل ہوتی مگر اصل عمل کی مصلحت حاصل ہو سکتی ہے اس لئے اُتنی سزا کہ جو اصل عمل کے بالکل فوت ہونے کی صورت میں ہوتی. ممکن ہے کہ اس قضاء کفارہ کے بعد نہ ہو۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ نمازہائے یومیہ و صیام ماہ رمضان از قبیل تعدد مطلوب ہیں یعنی نماز ظہر مثلاً اور روزۂ ماہ رمضان میں مطلوب شارع کو محض نفس عمل نہیں ہے بلکہ نفس عمل کا بجا لانا ایک مطلوب ہے اور دوسرا مطلوب یہ ہے کہ یہ عمل بالخصوص فلاں وقت میں واقع ہو لہٰذا بعد قضائے صلوٰۃ و صوم کے تدارک پہلے مطلوب یعنی نفس عمل کے ترک کا ہو جاتا ہے اس لئے اس کا عقاب نہ ہو گا۔ مگر دوسرا مطلوب یعنی اُس عمل کا فلاں وقت میں واقع ہونا اس کا تدارک نہیں ہوتا لہٰذا قضا و کفارہ کے باوجود روزہ کے وقت معین پر ادا نہ ہونے کی سزا باقی رہے گی۔ اُس کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔

لہٰذا نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز کو ترک کرنا یا روزہ کا ترک عمداً بلا عذر شرعی اگر اس قصد سے ہو کہ بعد میں قضا یا قضا و کفارہ کو ادا کرلے گا حرام ہے اور صرف قضا نماز میں یا قضا مع کفارہ روزہ میں اُس گناہ کے دور کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سیرت قرار دے لینا اور قضا و کفارہ کو اس اعتقاد سے ادا کرنا کہ یہ مستقل قائم مقام اصل عمل کا ہے بدعت ہے۔

اور بعض جوابات مسائل و نیز کلمات علما میں یہ کہ ترک صوم پر بدون عذر شرعی بعد قضا و کفارہ عقاب نہیں ہے۔ اسی صورت سے مخصوص ہے کہ جب قضا و کفارہ بعد توبہ واقع ہو۔

ھذا ما یخطر بالبال فی الجواب عن السؤال و اللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال حررہٗ

بیناہ اللہ الاثرۃ العاثرۃ من الابضاعۃ لہ فی الحقیقۃ، اقل خدام الشریعۃ المصطفویۃ علی صاحبہا الاف التحیۃ

ابوالحسن النقوی بقلمہ

روزے کے متعلق صدرِ اسلام کے دو واقعے

اطاعت اور معصیت کے نتیجہ خیز نمونے

روزہ کے باب میں تاریخ اسلام اور آثارِ شریعت میں دو یادگار واقعے ہیں جن میں انسانی نفس کی اطاعت اور معصیت کے دو متضاد نمونے سامنے آتے ہیں اور جن کا نتیجہ ہمیشہ کے لئے بطور یادگار احکام شریعت میں قائم و برقرار ہے حقیقت یہ ہے صدر اسلام میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ کے بعد کچھ کھانا کھائے بغیر شام کو سو جائے تو پھر سو جانے کے بعد کچھ کھانا پینا حرام تھا۔ اتفاق سے خندق کی لڑائی ماہ رمضان میں واقع ہوئی پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مصروف ہوں، عرب کی دھوپ اور پتھریلی زمین دن بھر روزہ کی حالت میں خندق کا کھودنا۔ رسولؐ کا ایک بوڑھا صحابی جس کا نام روایتوں میں مختلف ہے، ابوبصیر مرادی کی روایت جو امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ سے ہے اس میں خوات بن جبیر انصاری اور تفسیر نعمانی میں امیرالمومنینؑ سے مطعم بن جبیر منقول ہے وہ خندق کھودنے کے بعد وقت افطار تھکے ماندے اپنے خیمہ میں آئے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کچھ کھانا موجود ہے؟ اس نے کہا ٹھہرو سونا نہیں میں ابھی تیار کر کے لاتی ہوں یہ بیچارے دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے اتفاق سے نیند آگئی، سو گئے۔ زوجہ طعام لیکر حاضر ہوئی اور جگایا تو کہا اب میرے لئے کچھ کھانا حرام ہے۔ میں سو گیا تھا

یوں ہی گزر گئی۔ صبح کو روزہ پر روزہ رکھا اور خندق کھودنے کے لئے حاضر ہو گئے کام میں مصروف ہو گئے لیکن ضعف اور ناتوانی سے یہ عالم ہوا کہ غش آ گیا۔

پیغمبرؐ نے حالت دیکھی تو واقعہ دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ جب تک صبح کا سفید خط رات کے سیاہ خط سے نمودار ہو۔ اب اس آیت کی بنا پر پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ قانون ہو گیا کہ رات کو سو بھی جاؤ تو صبح صادق تک کھا پی سکتے ہو یہ اس غیر معمولی ثبات و استقلال اور اطاعت کی راہ میں مشقت کے برداشت کا نتیجہ تھا کہ شرع نے ہمیشہ کے لئے آسانی قرار دیدی۔ اب اسی موقع کا دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔ یہ بھی حکم تھا کہ ماہِ رمضان میں رات کے وقت بھی عورتوں سے مقاربت کرنا جائز نہیں کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی تو اس حکم کو بھی منسوخ کیا گیا اور ارشاد ہوا احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم "حلال کیا گیا تمہارے لئے روزہ کی رات میں جانا اپنی عورتوں کے پاس" تفسیر نعمانی میں ہے کان من المسلمین شبان ینکحون نساءھم باللیل سر القلۃ صبرھم فسال النبی اللہ فی ذلک فانزل اللہ احل لکم لیلۃ الصیام الخ مسلمانوں میں کچھ جوان تھے جو اس حکم کو برداشت نہ کر کے راتوں کو خفیہ اپنی عورتوں سے اختلاط کرتے تھے اس بارے میں پیغمبرؐ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ عجیب لطف ہے کہ شیعی روایت نے اس بارے میں اتنے پر اکتفا کی ہے مگر سنی مفسرین نے آیت کی شانِ نزول میں صاف پردہ کشائی کی ہے اور نام بتلا دیا ہے کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ حیدرآباد ج ۱ ص ۱۳۴ حرمہ بن انس کے حالات میں لکھا ہے ھو الذی نزلت فی سببہ و سبب عمر بن الخطاب احل لکم لیلۃ الصیام الخ صواعق

محرقہ مطبوعہ مصر ص ۶۰ میں بھی اس کی تصریح ہے یہ حکم منسوخ ہوا تھا اس اطاعت سے بھی اور منسوخ ہوا اس معصیت سے بھی۔ مگر یہاں جس طرح سے تنبیہ کے تازیانے لگائے گئے ہیں وہ ایک غیرت دار کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔

ارشاد ہوتا ہے علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالئن باشروھن "اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے نفوس کی خیانت کرتے رہتے تھے اب خدا نے تمہاری توبہ قبول کی اور معاف کر دیا اور اب تم ان سے (رات کے وقت) مقاربت کر سکتے ہو" یہ معافی اطاعت کی منزل میں ناکامیابی کی سند ہے جس طرح پہلے مقام پر کامیابی کا انعام تھا۔ نتیجہ ایک ہے اور وہ پائدار ہے مگر اس کے ساتھ اصحاب پیغمبرؐ کے مختلف کردار کی یادگار برقرار ہے۔

فریضۂ صوم کے ساتھ غربا پروری

روزہ ایک خداوند عالم کی طرف کا ذاتی فرض ہے جس کا مقصد تزکیۂ نفس ہے مگر اس کے ساتھ شرع نے غریبوں کی شکم سیری کا بھی سامان کیا ہے افطار صوم کے فضائل بیان کر کے۔ یہ فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ہر مردہ دل انسان کا بھی دل چاہنے لگتا ہے کہ اس ثواب کو حاصل کرے اور پھر اس میں اتنی وسعت کی گئی ہے کہ ہر غریب اس فضیلت کو حاصل کر سکتا ہے ملاحظہ ہو (۱) حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد من فطر فیہ مؤمنا صائما کان لہ بذلک عند اللہ عتق رقبۃ ومغفرۃ لذنوبہ فیما مضی "جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے اس کو خدا کے یہاں یہ ثواب ملے گا گویا اس نے بندہ راہِ خدا میں آزاد کیا اور اس کے گزشتہ گناہوں کو

معاف کیا جائے گا۔

کسی نے کہا یا رسول اللہ ہر شخص ہم میں سے اتنی مقدرت نہیں رکھتا کہ کسی کا روزہ کھلوائے۔ حضرت نے فرمایا خدا کریم ہے۔ وہ یہ ثواب عطا فرمائے گا اُس کو جو صرف ایک ذرا سے دودھ یا ٹھنڈے پانی یا کچھ خرموں سے کسی کا روزہ کھلوا دے جب کہ اس سے زیادہ پر قادر نہ ہو۔"

(۲) امام محمد باقرؑ کی روایت ہے من افطر صائما فله مثل اجره "جو کسی مومن کا روزہ کھلوائے اُسے اتنا ہی ثواب ملے گا جو خود روزہ رکھنے کا ثواب ہے۔"

(۳) امام موسیٰ کاظمؑ کی روایت میں ہے کہ فطرك اخاك الصائم افضل من صيامك "تمہارے اپنے برادر مومن کے روزہ کو کھلوانا خود تمہارے روزہ کے ثواب سے زیادہ ہے۔"

(۴) امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے فطرك لاخيك و ادخالك السرور عليه اعظم اجرا من صيامك "تمہارا اپنے برادر مومن کا روزہ کھلوانا اور اس کے دل کو خوش کرنا خود تمہارے روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

(۵) امام محمد باقرؑ کی روایت ہے لان افطر رجلا مؤمنا فی بيتی احب الی من ان اعتق كذ او كذ انسمة من ولد اسمٰعيل۔

"ایک مومن کا روزہ اپنے گھر میں بلا کر کھلوا دوں مجھ کو زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں اتنے اتنے آدمی اولاد اسمٰعیل میں سے آزاد کر دیتا۔

اور بھی روایات افطار کرانے کے ثواب میں ہیں مگر مذکورہ احادیث میں نے اس لئے نقل کئے ہیں کہ ان میں سے کچھ خاص نتائج تک پہنچتا ہوں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

پہلی حدیث

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرانے کا ثواب اتنا سستا نہیں ہے جو ہر شخص کو صرف ایک دانہ خرما اور ایک جرعہ آب سے حاصل ہو جائے بلکہ ان لوگوں کے لئے جو استطاعت رکھتے ہیں اتنی مقدار کافی نہیں ہوگی انہیں افطار میں حسب حیثیت غذا کھلانا چاہئے یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو صرف اتنی ہی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایک غریب اور محتاج فاقہ کش کے لئے بسا اوقات ایک دانہ خرما اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جتنی کہ ایک امیر کے لئے ایک پر تکلف ضیافت یہ خدا کے کرم کی وسعت ہے اُن کیلئے جن کا حوصلہ خدمتِ خلق کے لئے بلند ہے مگر اُن کی حیثیت و مقدرت ان کے لئے آرزوؤں کے پورے ہونے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ خدا نے اُن کے لئے اُن کی نیت کے خلوص اور ضمیر کی سچائی کی قدر کرتے ہوئے یہ وسعت پیدا کی ہے کہ وہ کچھ ممکن ہو اُس کو دریغ نہ کریں انہیں وہی ثواب مل جائے گا جو ایک صاحب استطاعت انسان کو اپنی حیثیت کے مطابق افطار صوم کرانے میں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہی فیشن بنا لیا جائے کہ ماہ رمضان میں ایک خرما دیا اور اپنے نزدیک روزہ افطار کرانے کے ثواب کے حقدار ہو گئے۔ ایسے لوگ جو استطاعت زیادہ کی رکھتے ہیں اس ایک چھوہارے کو دے دینے سے ہرگز اس اجر کے مستحق نہیں ہو سکتے جو مومنین کا روزہ افطار کرانے کے لئے حضرت احدیت نے مقرر فرمایا ہے

دوسری اور تیسری روایت

کا یہ مضمون ہے کہ تمہارا روزہ کھلوانا ثواب میں خود تمہارے روزہ رکھنے کے مثل یا اس سے افضل ہے اس سے مراد مستحبی روزہ ہے کیونکہ ثواب میں توازن کیا جا رہا ہے اسلئے اسکا نتیجہ وہی ہیں

ظاہر ہو سکتا ہے جہاں کہ صرف ثواب کا سوال پیش ہو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ واجبی روزہ کے بجائے اگر کسی مومن کا روزہ کھلوا دیا تو ثواب وہی مل گیا اسلئے روزہ کی ضرورت نہ رہی یہ خیال غلط ہے اسلئے کہ واجبی روزہ میں صرف ثواب نہیں ہے بلکہ اس کے ترک میں سزا بھی ہے اور اس سزا کا دفعیہ دوسرے کا روزہ کھلوانے سے نہیں ہوگا۔ بیشک مذکورہ روایت کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ اگر انسان کے لئے کسی وجہ سے یہ دو صورتیں پیش ہو جائیں کہ وہ خود مستحبی روزہ رکھے اور اپنے روزہ کی افطاری کا سامان کرے یا خود روزہ نہ رکھے اور کسی دوسرے بندۂ مومن کے روزہ کیلئے کا سامان کر دے تو اس کے لئے دوسری صورت کا اختیار کرنا کم از کم پہلی صورت کے برابر یا اس سے افضل ہے یہ بالکل قواعد شرعیہ کے مطابق ہے۔ عبادات جسمانی سے یقیناً عبادات اجتماعی یعنی خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کا ثواب زیادہ ہے اور اس بنا پر روایت کا مضمون بالکل مسلک شرع کے مطابق ہے۔

چوتھی روایت

اس میں افطار صوم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ ہیں کہ "تمہارا برادر مومن کے روزہ کا کھلوانا اور اس کے دل کو خوش کرنا خود تمہارے روزے سے افضل ہے"

اس روایت سے نیز دیگر کلیات شرع کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ روزہ کو افطار کرانے کا یہ ثواب اس صورت میں ہے کہ جب وہ مومن اس کو پسند کرتا ہو اور اس سے اس کے دل کو مسرت حاصل ہو لیکن اگر وہ اس سے کبیدہ خاطر ہے اور خواہ مخواہ بضد ہو کر اور اصرار کرکے اُسے روزہ افطار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے تو اس میں ثواب نہیں ہوگا بعض لوگ خواہ مخواہ کسی کے لئے روزہ کھولنے پر اصرار کرتے ہیں اور روزہ نہ کھولنے پر بگڑ جاتے ہیں ان کا یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔

پانچویں روایت

اس میں افطار کی فضیلت میں یہ قید ہے کہ "اپنے گھر پر بلا کر افطار کرائے۔ اب اگر اس اصول پر عمل کیا جائے کہ اگر ایک جگہ کلام مطلق ہو اور دوسری جگہ مقید تو مطلق کو بھی مقید پر محمول کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فضیلت افطار منحصر ہو اس صورت میں کہ جب اپنے گھر پر دعوت دے کر افطار کرایا جائے لیکن چونکہ مستحبات میں علماء نے اس اصول کو جاری نہیں قرار دیا ہے اور اُن کا نظریہ اس بارے میں درست ہے بلکہ یہاں مطلق اور مقید الگ الگ مراتب فضیلت کے تفرقے پر محمول کئے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیادہ ثواب اسی میں ہے کہ اپنے گھر پر مدعو کیا جائے اور اس سے کم ثواب ہے اسمیں کہ کسی شخص کو آپ کچھ افطاری کے طور پر دیدیجئے کہ اپنے گھر پر یا جہاں چاہنا افطار کر لینا۔

ایک خاص بات

یہ ہے کہ میرے نزدیک، ان تمام احادیث میں افطار صوم کا مطلب یہ ہے کہ روزہ پورا ہونے کے بعد روزہ دار کے افطار کا سامان فراہم کیا جائے لیکن ہمارے مستحبی روزوں میں جو اصرار ہوتا ہے کہ روزہ کو نامکمل طور پر درمیان ہی میں توڑ دیا جائے اور اسی کو بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے اور اس کے لئے بڑی کد و کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔ خصوصاً عید مبعث کے روزہ میں جسے "ہزاری روزہ" کہا جاتا ہے یہ میرے خیال میں "افطار صوم" کے اس مفہوم سے خارج ہے اور اس ان کے روزہ کو مکمل ہونے دیجئے اور پھر بوقت افطار افطاری کا سامان کر دیجئے یا ایک پان کی گلوری اور ایک چھوہارے اور ایک الائچی سے کسی کے روزہ کا خون کرنے سے کیا فائدہ؟

اس قسم کے افطار کی خواہش جسے "سوال خدا" کہا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اس کی

کوئی اہمیت نہیں ہے بیشک مستند احادیث اس بارے میں وارد ہوئے ہیں کہ اپنے برادر
مومن کی خواہش سے روزہ کو کھول ڈالو تو وہ اس روزہ کے مکمل کرنے سے افضل ہے
مگر میرے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ برادر مومن واقعی آپ کو کچھ کھانا کھلانا
چاہتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ آپ اس کے یہاں کھانا کھائیں یا کوئی پسندِ خاطر
چیز جسے وہ بہ نظرِ محبت آپ کو کھلانا چاہتا ہے تو روزہ کی بنا پر اس کی خواہش کو پورا
کرنے سے گریز نہ کیجیے۔ مگر یہ پان کی گلوری اور الائچی اور ایک چھوہارا جس کا مقصد صرف
روزہ کا ختم کرانا ہے ہرگز ضیافت اور دعوت کے مفہوم میں داخل نہیں ہے حالانکہ
اگر ہم روزہ سے نہ ہوتے تو شاید نصیب بھی نہ ہوتا۔ رہ گیا مومن کی خواہش کو پورا کرنا
تو وہ مومن خود کیسا ہے جو ہماری اس خواہش اور دلی تمنا کو پورا نہیں ہونے دیتا۔
کہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے روزہ کو مکمل رکھیں، وہ خواہ مخواہ ہمیں کیوں ہماری خواہش کے
خلاف مجبور کرتا ہے یہاں ایک بات اور کہتا چلوں کہ بعض لوگ مستحبی روزہ اور
بالخصوص ہزاری روزہ صرف اس امید پر رکھتے ہیں یا کم از کم اس یقین کے ساتھ کہ کوئی
کھلوائے گا اور ہم کھول ڈالیں گے ایسے اشخاص کے روزہ کی صحت بہت دشوار ہے
میرے نزدیک ان کا روزہ تو ہوتا ہی نہیں کیونکہ روزہ ایک عمل ہے جس کی ابتدا
و انتہا طلوع صبح صادق اور غروب آفتاب ہے۔ اگر قصد ہے اس مدت کے امساک
کا تو روزہ ہے اور اگر یہ قصد ہی نہیں تو روزہ نہیں اور جب نیت کے وقت یہ
خیال ہے کہ دو گھنٹہ کا معاملہ ہے پھر تو کھل جائے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قصد روزہ
کا پیدا ہوا ہی نہیں۔ اور اب اگر کسی نے روزہ کو کھلوایا تو وہ کھلوانا نہ ہوا۔
کیونکہ وہ پہلے سے بندھا ہی نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس سے روزہ دار کو ثواب

صوم مل سکتا ہے نہ کھلوانے والے کو ثواب افطارِ صوم۔ روزہ تو اس وقت ہوگا
جب اپنا قصد یہی ہو کہ ہم شام تک روزہ رکھیں گے مگر اتفاق سے کوئی شخص دعوت
کردے اور کھانا کھانے پر اصرار کرے تو اس وقت اس کی خواہش پر روزہ کھول
دے اس صورت میں چونکہ نیت صوم ہو چکی ہے لہٰذا ثواب صوم بھی ملے گا اور پھر
دعوتِ مومن کی قبولیت کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔

روزہ کے آداب و قواعد

روزہ تزکیۂ نفس کے لئے ہے اس لئے ائمہ معصومین علیہم السلام نے تاکید کی ہے
کہ روزہ کی حالت میں انسان اپنے زبان و دل، نگاہ ہر ہر حصۂ جسم کا احتساب قائم رکھے
اور اپنے طرزِ زندگی اور آئینِ معاشرت میں ایسی پابندی کرے کہ اس کا روزہ اپنی
روحانی حیثیت کا مظہرِ اتم ثابت ہو سکے چنانچہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے
اذا صمت فلیصم سمعک و بصرک و جلدک جب تم روزہ رکھو تو تمہارے کان۔ آنکھ
اور جسم کی کھال ہر چیز روزہ دار ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کان اُن آوازوں سے علیحدہ رہیں
جن کا کان لگا کر سننا شرع نے حرام قرار دیا ہے۔ نگاہ اُن مناظر کے دیکھنے سے الگ
رہے جن کا دیکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے جسم کی کھال ایسے اشیاء کے مس کرنے سے جدا
رہے جن کا چھونا ناجائز ہے اسی طرح اور اعضا بھی قیود و حدود کے پابند رہیں
پھر آپ نے فرمایا لا یکون یوم صومک کیوم فطرک یعنی تمہارے روزہ کا دن مثل
تمہارے بے روزہ کے دن کے نہ ہو مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہر شعبۂ زندگی پر روزہ
کا اثر نمایاں ہونا چاہیے۔

امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے مخاطب ہو کر فرمایا یا جابر ھذا شھر رمضان من صام نھارہ وقام وردا من لیلہ وعف بطنہ وفرجہ وکف لسانہ خرج من الذنوب کخروجہ من ھذا الشھر

"یہ رمضان کا مہینہ ہے جو شخص اس میں دن کو روزہ رکھے اور رات کو نمازیں پڑھے اور باطن و ظاہر تمام اعضائے بدن کو پرہیز گاری اور پارسائی کا پابند رکھے تو اس مہینہ سے باہر نکلنے کی طرح وہ گناہوں سے بھی خارج ہو جائے گا"

جابر نے عرض کیا ما احسن ھذا الحدیث "یہ ارشاد کتنا عمدہ ہے"

حضرت نے فرمایا یا جابر ما اشد ھذہ الشروط "اے جابر یہ شرطیں بھی کتنی سخت ہیں"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ان الصیام لیس من الطعام والشراب وحدہ "روزہ کا اصل مقصد صرف کھانے پینے کو چھوڑنا نہیں ہے"

فاذا صمتم فاحفظوا السنتکم وغضوا ابصارکم ولا تنازعوا ولا تحاسدوا

"جب روزہ رکھو تو زبانوں کو اپنے روکے رکھو اور نگاہوں کو باندھ رکھو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ اور نہ باہم ایک دوسرے پر رشک و حسد کرو"

جناب رسالتمآبؐ نے تو بڑے بلیغ عنوان سے اس امر کا اظہار فرمایا کہ روزہ باعتبار مقبولیت کے کالعدم ہو جاتا ہے اس صورت میں کہ جب افعال و اعمال پر نگرانی نہ قائم ہو اور انسان روزہ کی حالت کا وقار و احترام اپنے عمل سے نہ کرے۔ حضرت نے ایک عورت کو سنا۔ ممکن ہے وہ خاتون آپ کے ازواج ہی میں سے ہو کوئی ہو وہ روزہ کی حالت میں اپنی کنیز کو گالیاں دے رہی تھی حضرت نے کھانا منگوا کر فرمایا کہ یہ کھانا کھاؤ

اس خاتون نے کہا میں تو روزہ سے ہوں۔ حضرت نے فرمایا تم کیسی روزہ سے ہو کہ اپنی لونڈی کو گالیاں دیتی ہو۔ یاد رکھو کہ روزہ فقط کھانے پینے کے چھوڑنے کا نام نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اذا صمت فلیصم سمعک وبصرک من الحرام والقبیح ودع المراء واذی الخادم ولیکن علیک وقار الصائم ولا تجعل یوم صومک کیوم فطرک

جب روزہ رکھو تو چاہیئے کہ کان اور آنکھ حرام اور بری باتوں سے محفوظ رہیں اور کسی سے جھگڑا نہ کرو اور خدمت گار کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور چاہیئے کہ روزہ دار کا وقار نمایاں ہو اور روزہ کے دن کو اپنے بے روزہ کے دن کے مثل نہ رکھو خدمت گار کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم۔ اس کے علاوہ بھی دوسری روایت میں ان لفظوں میں دیا گیا ہے والرفق بخادمک "اپنے نوکر کے ساتھ نرمی کرو"

یہ سبق دیا گیا ہے جس کے بجائے روزہ داروں کا وطیرہ ہو گیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں "پیکر غضب" بنے رہتے ہیں اور بات بات پر نوکر کی جان کو آئے جاتے ہیں۔ گویا وہ اپنے روزہ کا مظاہرہ اسی کو سمجھتے ہیں کہ انہیں ہر بات پر غصہ آئے حالانکہ روزہ میں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر غصہ کی بات بھی ہو تو ٹال دیا جائے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی تمہیں گالیاں بھی دے تب بھی اپنے روزہ کی خاطر اسے جواب نہ دو۔

دوسری بات جس میں بہ نسبت دوسرے دنوں کے بہت سے اشخاص کے یہاں روزہ کی حالت میں اضافہ ہو جاتا ہے وہ دوسروں کی بدگوئی اور ان کے عیوب کا تذکرہ کرنا ہے۔ گویا ہمارا وقت ہی نہیں کٹتا جب تک کہ دوسروں پر بدگوئی اور

اور ان کے عیوب کا تذکرہ کرتا ہے۔ گویا ہمارا وقت بھی انھیں لغویات تک کہ دوسروں پر نکتہ چینی اور ان کی برائیوں کا ذکر نہ ہو۔ اس کو گذشتہ احادیث میں خاص طور سے منع کیا گیا ہے۔

بے شک روزہ کی رسمی صحت کے لئے اُن مفطرات کا ترک کر دینا جیسے کھانا پینا وغیرہ کافی ہے۔ ان معنوں سے کہ بعد میں اس روزہ کی قضا کی ضرورت نہیں۔ مگر قبولیت عمل کی اس کے مفاد اصلی کے اعتبار سے ہوتی ہے اور غالباً اجر اُخروی کا تعلق قبولیت ہی کے درجہ سے ہے۔ روزہ کا اصلی مقصد اور منشا جو رضائے پروردگار کا باعث ہے اس وقت حاصل ہوگا جب روزہ میں انسان فرائض کا احساس قائم رکھے اور اپنے عمل کی نگرانی جاری رکھے۔

ان لوگوں کی توجہ دہانی کے لئے جو روزہ میں اظہارِ غضب کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں کچھ اور احادیث درج کئے جاتے ہیں جن سے روزہ میں غصہ کو ضبط کرنے کی فضیلت ظاہر ہوگی۔

فضیل بن یسار کی روایت ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ روزہ کی حالت میں آدمی کسی سے جھگڑا نہ کرے اور نہ غصہ سے کام لے نہ جلدی حلف اٹھائے اور قسمیں کھائے فان جھل علیہ احد فلیحتملہ اگر کوئی اس کے مقابلہ میں جہالت سے کام بھی لے تو یہ برداشت کرے۔

دوسری حدیث سعدہ بن صدقہ کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے آبائے کرام کے ذریعہ سے حضرت رسالتمآبؐ سے روایت کی ہے حضرت نے فرمایا مامن عبد صائم یشتم فیقول السلام علیك لا اشتمك کما شتمتنی الا قال الرب تعالی استجار عبدی بالصوم من

شر عبدی قد اجرتہ من النار۔

جس روزہ دار خدا کے بندہ کو گالیاں دی جائیں اور وہ یہ کہے کہ خدا تیرا بھلا کرے میں تجھے اس طرح گالیاں نہیں دوں گا جس طرح تو نے مجھے گالیاں دی ہیں تو پروردگار عالم فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے پناہ اختیار کی روزہ کی میرے دوسرے بندہ کی شرارت کے مقابلہ میں اب اس کو آتش جہنم سے پناہ دوں گا! اسی طرح کی روایت اسمٰعیل بن مسلم کوفی کی بھی امام جعفر صادقؑ سے ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جب اسے گالیاں دی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں روزہ سے ہوں۔ خدا تیرا بھلا کرے تو خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس نے روزہ کی پناہ لی۔ اس کو پناہ دیدی جائے اور اسے بہشت میں داخل کیا جائے۔ کاش اس نوید جانفزائے الٰہی کو سنکر روزہ دار اپنے غیظ و غضب کی آگ کو خاموش کر دیں۔ اور باغ بہشت کے سبزہ زار بنیں۔

شعر خوانی

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ شعر پڑھنا روزہ کی حالت میں مکروہ ہے ممکن تھا اس موقع پر یہ خیال کیا جاتا کہ شعر سے مراد مضامین شعریہ یعنی تخیلیہ ہیں خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں لیکن اگر نظم میں کچھ حقیقی مطالب اور واقعی مضامین درج ہوں تو وہ اس حکم سے خارج ہوگا مگر احادیث نے اس خیال کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے وہاں تصریح کر دی گئی ہے کہ اگر شعر حق مطالب پر بھی مشتمل ہو یہاں تک کہ اہلبیت کی مدح ہی تب بھی اس کا پڑھنا روزہ کی حالت میں مکروہ ہے نیز یہ بھی تصریح ہے کہ رات اور دن اس حکم میں یکساں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ماہ رمضان میں رات کو بھی

شعر پڑھنا مکروہ ہے بلکہ رات کو تو عموماً شعر پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ غیر ماہ رمضان میں ہو۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے احادیث۔

حماد بن عثمان کی روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ مکروہ ہے شعر پڑھنا روزہ دار کے لیے اور اس شخص کے لئے جو حالت احرام میں ہو اور حرم میں اور روز جمعہ اور یہ کہ رات کو شعر پڑھے۔ راوی نے عرض کیا "چاہے وہ حق شعر کیوں نہ ہو" حضرت نے فرمایا وان کان شعر حق "اگرچہ حق شعر ہو"

دوسری روایت حماد بن عثمان وغیرہ کی روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ شعر رات کو نہیں پڑھنا چاہئے اور ماہ رمضان میں رات دن کسی وقت نہ پڑھا جائے۔ اسمٰعیل فرزند حضرت نے عرض کیا کہ بابا اگرچہ وہ شعر ہمارے بارے میں ہو حضرت نے فرمایا وان کان فینا "ہاں اگرچہ وہ ہمارے بارے میں ہو"

ان روایات کے لحاظ سے نوحہ، مرثیہ، سلام و قصیدہ کسی طرح کے بھی اشعار کا استثناء ثابت نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مدح اہلبیت کا ایک مستقل ثواب اسی ذریعے سے حاصل ہو جائے اور وہ تدارک کر سکے اس کمی ثواب کا جو شعر کی کراہت سے روزہ میں پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

ایک دلچسپ بحث

مشاہدہ گواہ ہے کہ ماہ رمضان کے بعد شوال کا چاند کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا جس طرح اور دوسرے مہینے اس اعتبار سے مختلف رہتے ہیں اور اس لحاظ سے کسی قمری مہینہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہمیشہ ۲۹ ہی کا ہوتا ہے

یا ہمیشہ ۳۰ دن کا۔ اسی طرح ماہ صیام کے متعلق بھی کوئی تعیین نہیں ہو سکتی۔ مگر متعدد احادیث اس مضمون کے وارد ہو گئے ہیں۔ کہ ماہ رمضان کبھی ۳۰ دن سے کم نہیں ہوتا۔ بعض روایات میں نہایت سخت الفاظ میں اس چیز کا انکار کیا گیا ہے کہ پیغمبر نے کبھی ۲۹ دن کے بھی روزے رکھے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ رسولؐ نے ہمیشہ ۳۰ ہی دن کے روزے رکھے۔ بعض روایات میں ہے کہ جب سے آسمان خلق ہوا، اُس وقت سے ماہ صیام ہمیشہ کامل ہی ہوا۔ کبھی ۳۰ دن سے کم نہ ہوا ہے نہ ہو گا۔ ان احادیث کا نتیجہ یہ ہے کہ ماہ صیام کے اختتام کے لئے چاند کا دیکھنا کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اصل چیز ۳۰ دن کا پورا کرنا ہے۔ اس کے برخلاف کثیر التعداد احادیث میں یہ ہے کہ ماہ رمضان بھی مثل دوسرے مہینوں کے ہے جیسے وہ کبھی ۲۹ دن کے ہوتے ہیں کبھی تیس دن کے اسی طرح ماہ رمضان بھی ۲۹ اور ۳۰ دونوں قسم کا ہوتا ہے اور اس لئے رویت ہلال کا اعتبار ہے۔ اگرچہ چاند ۲۹ ہی کو نکل آیا تو روزہ ترک کر دینا لازم ہو گا۔ ان احادیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے دونوں طرح سے روزے رکھے ہیں ۲۹ کے بھی اور ۳۰ کے بھی۔

ان احادیث کے اختلافات کی وجہ سے قدیم زمانہ کے علماء میں بڑا شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک طبقہ نے پہلے احادیث پر عمل کیا اور انھوں نے ہر مہینہ کے لئے کچھ تعداد دنوں کی مقرر کر لی اس طرح کہ ماہ رمضان ۳۰ یوم۔ شوال ۲۹ دن ذی القعدہ ۳۰ دن ذی الحجہ ۲۹ دن۔ یونہی ایک مہینہ پورا اور ایک مہینہ ناقص۔ یہ لوگ اصحاب العدد کہے جاتے

ہیں۔ دوسرے علماء نے مشاہدہ کے مطابق دوسرے قسم کے احادیث پر عمل کیا یہ لوگ اصحاب الرؤیہ کہے گئے۔ تیسری چوتھی صدی ہجری تک یہ اختلاف بڑے زوروں پر تھا اور باہم ایک دوسرے کی رد میں رسالے بھی لکھے گئے چنانچہ متعدد رسائل اس موضوع پر کتب تراجم میں ہمارے علم میں موجود ہیں۔ مگر بعد میں یہ اختلاف مضمحل ہوگیا اور مسلم علمائے شیعہ اسی بات کے قائل نظر آنے لگے کہ تعداد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اعتبار رویت کا ہے۔ یہی اب بھی متفق علیہ حیثیت رکھتا ہے۔ اتنا یقینی سمجھ لیا گیا ہے کہ پہلی قسم کے احادیث قابل عمل نہیں ہیں مگر آج تک کوئی دل نشیں مفہوم ان احادیث کا سمجھ میں نہیں آیا +

تفصیل چندہ رکنیت امامیہ مشن پاکستان

سرپرست:- کم از کم پانچسو روپیہ یکمشت یا بالاقساط } اگلے پچھلے تمام کتابچے معہ مطبوعات مکتبۂ امامیہ اور ماہنامہ پیام عمل بلاقیمت عمر بھر تک بھیجے جائیں گے۔

مربی:- کم از کم یکصد روپیہ یکمشت یا بالاقساط } اگلے پچھلے تمام کتابچے معہ ماہنامہ پیام عمل عمر بھر تک۔ بلاطلب و بلاقیمت مہیا کیے جائیں گے۔

رکن خصوصی:- پانچ روپیہ سالانہ - سال بھر میں (یکم اپریل تا ۳۰ مارچ) شائع ہونیوالے کتابچے معہ ماہنامہ پیام عمل بلاطلب و بلاقیمت بھیجے جاتے ہیں

امامیہ مشن پاکستان کی توسیع رکنیت میں حصہ لے کر نصرت آل محمد علیہم السلام کا فرض انجام دیجیے۔

ترسیل زر کا پتہ :-

آنریری جنرل سکریٹری امامیہ مشن پاکستان
اردو بازار۔ لاہور ۲